اسلام

میں

حقوق ومعاملات کی نزاکت واہمیت

(مؤلف)

حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

(خلیفہ ومجاز)

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم ادریس حبان رحیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ



ناشر: خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

اسلام
میں
حقوق ومعاملات کی نزاکت واہمیت

(مؤلف)

حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

(خلیفہ ومجاز)

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم ادریس حبان رحیمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ ومجاز: حاذق الامت حضرت مولانا ذکی الدین صاحب پرنامبٹی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ ومجاز: مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ ومجاز: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

مخلص اور طالب حق کو طباعت کی اجازت ہے

اگر کوئی نیکی کا طالب اردو کے علاوہ دوسری زبانوں میں اس کتاب کو منتقل کرنا چاہے تو اجازت ہے۔

نام کتاب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اسلام میں حقوق ومعاملات کی نزاکت واہمیت

مؤلف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔حضرت مولانا محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

کمپیوٹر وکتابت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔عبداللہ علاء الدین قاسمی

صفحات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔122

تعداد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ملنے کے پتے

☆ خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور دربھنگہ (بہار)

☆حضرت مولانا ریاض صاحب قاسمی پورانی سیماپوری نئی (دہلی)

☆ قاری عبدالعلام صاحب نزد مدینہ مسجد پورانی سیماپوری (نئی دہلی)

☆ قاری مطیع الرحمان صاحب اتوار بازار نزد مدینہ مسجد اگر نگر مبارک پور (نئی دہلی)

Mobile:7654132008/7428151390/9674661519

Pulbisher :

KHANQUAH E ASHRAFIA M.R.A

فہرست مضامین

عناوین	صفحات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ

عرصہ دراز سے مختلف اوقات میں بعض احباب ورفقاء کرام کی طرف سے بار بار یہ تاکید ومطالبہ جاری رہا کہ حقوق ومعاملات کے عنوان سے کوئی جامع کتاب منصۂ شہود پر آجائے تو امت کیلئے ایک ضروری اور مفید کام ہوجائے۔

مسلسل یہ موضوع دل کی گذرگاہ سے تخیل کے سانچہ میں وارد ہوتا اور پھر قلب ونظر کے کسی سرد خانہ میں روپوش ہوجاتا تھا، اسلئے کہ دیگر موضوعات پر متواتر کام کرتے رہنے کی وجہ سے اس جانب توجہ نہیں ہو پارہی تھی، اب الحمدللہ چند سطور اس موضوع پر رقم کرنے کی سعادت مل رہی ہے، اللہ تعالیٰ اس ادنیٰ کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

''حقوق ومعاملات'' شریعت میں نہایت ہی اہم عنوان ہیں، نصف شریعت حقوق العباد ہی پر مشتمل ہے، فقہ کی مشہور درسی کتاب ''ہدایہ'' جو دو جلدوں میں مصنف علامہ برہان الدین ابوالحسن المرغینانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کی ہے، دوسری جلد صرف حقوق ومعاملات پر ہی مشتمل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ محمدیہ میں حقوق العباد کو بڑی اہمیت حاصل ہے اس کے بغیر آدمی نہ تو مومن حقیقی ہوسکتا ہے، نہ دیندار۔

ہمارے ملکوں میں اس لطیف وحساس موضوع کے حوالہ سے لوگوں میں بڑی غفلت وبے اعتنائی پائی جاتی ہے، شاید یہ ضعف دینی اور عجمیت کی ظلمت کا اثر ہے جو ہمارے معاشرے کا صدیوں سے احاطہ کئے ہوئے ہے اور موجودہ دور میں تو حقوق تلفی کا سیل رواں ہی آچکا ہے، نہ کوئی گھر اس فساد سے پاک ہے، نہ کوئی معاشرہ اس سے خالی ہے، نہ مسجدیں

اس سے پاک ہیں، نہ مدرسے، نہ کوئی تنظیم وجماعت اس سے مستثنیٰ ہے، ایک ابتلاء عام ہے، خاص وعام سب اس فتنۂ جہاں سوز کی زد میں ہی نہیں بلکہ اس کی گود میں پڑے ہوئے ہیں، حقوق العباد یعنی بندوں اور اللہ کی مخلوقات کے مادی ومعنوی حقوق۔

مادی حقوق مثلاً لین دین، زر، زمین وغیرہ کے مطالبات ومعاملات، اور معنوی حقوق مثلاً حسن سلوک، انسانیت وہمدردی، رحم دلی وشفقت اور اخلاق وایفاءِ عہد وغیرہ۔

معنوی حقوق کے ضیاع سے کچھ نہ کچھ نجات ومغفرت کی گنجائش ہے، مگر مادی حقوق کی خلاف ورزی اور ان کی ادائیگی میں ذرا بھی کمی کی گئی تو ہرگز معافی کی گنجائش نہیں، اللہ تعالی اپنے حقوق میں سے جتنا چاہیں معاف کر سکتے ہیں، مگر بندوں کی حقوق تلفی ہرگز معاف نہیں کریں گے، چاہے بندہ لاکھ توبہ کرے، چاہے بندہ عالم ہو یا متقی، امیر ہو یا غریب، صحت مند ہو یا مریض، کسی بھی صورت میں بخشش نہیں ہوگی، ہر گناہ معاف ہو جائے گا مگر بندہ کا حق ہرگز معاف نہیں ہوگا، وہ تو ادا کرنا ہی پڑے گا، اگر موت سے پہلے بندہ نے بندے کا حق ادا نہ کیا تو پھر جنت میں داخلہ بھی روک دیا جا سکتا ہے، اس باب میں خدا کے یہاں کوئی رعایت نہیں اور کوئی عذر بھی قبول نہیں۔

ہمارے معاشرے میں حقوق تلفی کا عام ابتلاء ہے، کوئی کسی کی زمین ہڑپ رہا ہے، کوئی کسی کے پیسے غبن کر رہا ہے، کوئی کسی کے مکان پر قبضہ کر رہا ہے، کوئی خیانت کر رہا ہے، تو کوئی امانتوں کے ساتھ کھلواڑ کر رہا ہے۔

حقوق تلفی کے باب میں بنیادی کردار دروغ گوئی اور کذبِ لسانی کا ہے، آج ہر شخص نے جھوٹ کو اپنے لئے باب النجات اور باب الفوز والفلاح بنا لیا ہے، ہر شخص جھوٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا ہے، خواہ عالم ہو یا تاجر، عاقل ہو یا جاہل، ہر شخص جھوٹ کی ڈھال سے ہی کاروبارِ زندگی کو فروغ وترقی دینا چاہتا ہے، آپ سے بعض مولانا

صاحب کہیں گے چار بجے آرہا ہوں مگر وہ پانچ بجے بھی نہیں آئیں گے، اور نہ ہی آپ کو کسی ذریعے سے غیر حاضری کی اطلاع ہی دینے کی زحمت گوارا کریں گے۔

بہرحال حقوق تلفی خواہ مال کے باب میں ہو، یا اخلاق کے باب میں دونوں مضر ہیں، دونوں اعمال و ایمان کو تباہ کرنے والے ہیں، اگر مومن صالح بننا ہے تو اپنے معاملات کو بالکل صاف رکھیں، آپ کے اوپر کسی کا ایک روپیہ بھی ہے تو ضرور جلد سے جلد ادا کردیں، اگر کسی کی زمین آپ کے قبضے میں ہے خواہ ایک ہاتھ ہی سہی، یا تو اس کو صاحب زمین سے خرید لیں یا معاف کروالیں، ورنہ خدا کی نگاہ میں آپ مجرم اور گنہگار ہیں، دیندار ہرگز نہیں، چاہے لاکھ دین کا کام کریں، بلکہ بد دینی کی اعمال سوز چادر آپ نے اوڑھ رکھی ہے جو آپ پر خدا کی رحمتوں کے نزول کے لیے مکمل مانع ہے، خدا ہر مسلمان کو اس بلاء سے نجات عطا فرمائے آمین۔

جھوٹ بول کر نہ تو کوئی تجارت بابرکت ہوگی اور نہ ہی آپ عزت وسرخ روئی پاسکیں گے، جھوٹ اور مکر وفریب یہ سب آدمی کو ذلیل ورسوا اور ملعون تو کرسکتے ہیں مگر عزیز ومحبوب اور محمود نہیں بنا سکتے، ان رذائل سے بندہ دربار الٰہی میں بھی معتوب وملعون ہو جاتا ہے اور نگاہِ خلق میں بھی مشکوک ومعیوب ہو جاتا ہے، دنیا وآخرت دونوں میں ناکام، نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔

آپ اس کتاب کا مطالعہ کریں ان شاء اللہ حقوق ومعاملات کے باب میں اس سے بصیرت وعبرت اور پوری رہنمائی ملے گی، اللہ تعالی اسے قبول فرما کر ذریعۂ مغفرت ونجات بنائے آمین۔

(حضرت مولانا) **محمد علاء الدین صاحب قاسمی**

خانقاہ اشرفیہ ومکتبہ رحمت عالم رحمانی چوک پالی گھنشیام پور ضلع دربھنگہ (بہار)

بروز جمعہ ۱۵ شوال المکرم ۱۴۴۳ھ ۱۳ مئی ۲۰۲۲ء

حقوق العباد کی اہمیت

فَقَدْ قَالَ النَّبِی صَلیَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ۔ (البخاري:۹)

مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔

انسان بننے کے لیے ایک تو ادب ضروری ہے اور دوسرے اخلاق کا ہونا ضروری ہے ،جس سے انسان انسان بنتا ہے ۔تیسری چیز حقوق کا ادا کرنا ،جب ایک انسان دوسرے انسان سے کسی نہ کسی حیثیت سے متعلق ہوتا ہے، باپ کے اعتبار سے، چچا کے اعتبار سے ،شوہر کے اعتبار سے ،بیوی کے اعتبار سے ،کسی نہ کسی حیثیت سے تعلق پیدا ہوگا ،تو اس تعلق کے اندر ضروری ہے کہ انسان سب کے حقوق ادا کرے، ماں باپ کے حقوق ادا کرے، بچے ہیں تو بچوں کے حقوق ادا کرے ،شوہر ہے ،تو بیوی کے حقوق ادا کرے ،بیوی ہو تو شوہر کے حقوق ادا کرے، بھائی بھائی کا حق ادا کرے ،بہن کا حق ادا کرے ،اس طرح دنیا کے کسی بھی انسان سے کسی بھی طرح کا تعلق قائم ہو جائے ،تو اس کا اس کی حیثیت سے حق ادا کرے۔

یہ بھی دین کا بڑا اہم ترین شعبہ ہے اور انسانیت کا بھی شعبہ ہے ؛ جو جتنا بڑا انسان ہوگا ،کامل انسان ہوگا ،وہ اسی قدر پکا مؤمن ہوگا ؛ ورنہ جو آدمی ماں باپ کا حق ادا نہ کرتا ہو ،تو کیا آپ اس کو پکا مؤمن کہیں گے؟ جو بیوی شوہر کا حق ادا نہ کرے ،کیا اس کو کامل مؤمنہ کہا جائے گا ؟ اور اگر کوئی صاحب اپنی بیوی کے حقوق ادا نہ کرتے ہوں ،تو کیا ان کو کامل مؤمن سمجھا جائے گا ؟ نہیں ! جیسے نماز نہ پڑھنے والے کو آپ کامل مؤمن نہیں سمجھتے ،اسی طرح ان حقوق کے ادا نہ کرنے والے کو بھی کامل مؤمن نہیں سمجھا جا سکتا۔

لیکن اس میں آج اتنی بڑی کوتاہی ہوتی ہے کہ بعض لوگ نمازی ہوجاتے ہیں، پرہیز گار ہوجاتے ہیں اورتہجد گذار ہوجاتے ہیں، ذاکروشاغل بھی ہوجاتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود حقوق ادا کرنے کا جہاں مسئلہ آتا ہے، تو بالکل ٹھپ ہوجاتے ہیں، حق ہی ادا نہیں کرتے، ماں باپ کا حق کھاجاتے ہیں اور کوئی بھائی بہنوں کا حق کھاجاتا ہے، اس طریقے پر حقوق کی ادائے گی کے سلسلے میں بڑی کوتاہی واقع ہوتی ہے، اس سے ایک آدمی جس طرح کامل مؤمن نہیں بن پائے گا، وہ کامل انسان بھی نہیں بن پائے گا۔ (فیضان معرفت)

حقوق العباد کا معاملہ بڑا سنگین ہے

اللہ رب العزت اپنا حق تو معاف فرمادیں گے مگر بندوں کے جو آپسی حقوق ہیں وہ معاف نہیں کریں گے بلکہ بندوں کو ہی معاف کرنا ضروری ہے۔ شہید کا درجہ بہت بڑا ہے اس کے سارے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں سوائے دَین کے یُغْفَرُ لِلشَّهِيْدِ كُلُّ ذَنْبٍ اِلَّا الدَّيْنِ ۔آج کل ہم لوگوں کو اس کی طرف توجہ نہیں ہورہی ہے، لمبی لمبی نماز پڑھ لیتے ہیں، ہزار دانوں کی تسبیح لئے پھرتے ہیں لیکن معاملات کے کچے، ہیں اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ایک شخص صرف فرائض ادا کرتا ہے اور پڑوسیوں اور دیگر لوگوں کے ساتھ اس کے معاملات اچھے ہیں تو یہ اس مسلمان سے بدرجہا بہتر ہے جو سنن ونوافل کی کثرت کرتا ہو مگر پڑوسیوں کے ساتھ اس کے معاملات اچھے نہ ہوں، لوگوں کے حقوق کی رعایت اور پاسداری نہ کرتا ہو، غور کرنے کی بات ہے کہ ناپ تول میں کمی کرنے کی وجہ سے ایک عظیم الشان اور جلیل القدر پیغمبر کو مبعوث کیا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۔ تباہی اور بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے

والوں کے لئے اَلَّذِیۡنَ اِذَا اکۡتَالُوۡا عَلَی النَّاسِ یَسۡتَوۡفُوۡنَ وہ لوگ جب لوگوں سے ناپ لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں وَ اِذَا کَالُوۡہُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡہُمۡ یُخۡسِرُوۡنَ اور جب ناپ کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں۔ آج کل لوگ اس معاملہ میں بڑی ہی کوتاہیاں کرتے ہیں، بازاروں میں چلے جائیں، اگر غفلت برتیں تو ناپ میں کمی کر دیں۔ اپنا حق پورا لینا برا نہیں ہے بلکہ دوسرے کا حق کم دینا برا ہے اور یہاں کم دینے ہی کی مذمت کی گئی ہے ۔ الغرض حضرت شعیب علیہ السلام بہت بڑے مقرر اور خطیب تھے اسی لئے ان کو خطیب الانبیاء کہا جاتا ہے مگر ان کی قوم بڑی ضدی اور ہٹ دھرم تھی، نافرمانی اور سرکشی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اپنے نبی کی دعوت پر ہنستے اور ٹھٹھا کرتے رہے۔ قَالُوۡا یٰشُعَیۡبُ اَصَلٰوتُکَ تَاۡمُرُکَ اَنۡ نَّتۡرُکَ مَا یَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا۔

(جب حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتے) تو ان کی قوم کے لوگ کہتے اے شعیب کیا تیری نماز تجھ کو حکم دیتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء واجداد پرستش کیا کرتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت فرمائی کہ وَلَا تَقۡعُدُوۡا بِکُلِّ صِرَاطٍ تُوۡعِدُوۡنَ وَ تَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِہٖ وَ تَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا۔ اور تم سڑکوں پر اس غرض سے نہ بیٹھا کرو کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والوں کو دھمکیاں دو اور اللہ کی راہ سے روکو اور کجی کی تلاش میں لگے رہو۔ اسکے بعد حضرت شعیب علیہ السلام نے ترغیبی وترہیبی پہلو اختیار کیا یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ان کو یاد دلائیں، پھر گذشتہ اقوام یعنی قوم لوط اور قوم نوح پر جو عذاب آئے وہ سب یاد دلائے کہ کس طرح ان لوگوں کا انجام ہوا اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے۔ اب بجائے اسکے کہ یہ لوگ ایمان لاتے:۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۔ (سورۃ الاعراف)

ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا اے شعیب ہم تم کو اور تمہارے ہمراہ جو ایمان والے ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے، الّا یہ کہ اپنے مذہب پر لوٹ آؤ۔ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِيْنَ۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا اگر ہم اس سے بیزار ہوں۔ جتنے بھی نبی ورسول آئے انکی اقوام نے انکے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا، مارنے اور قتل کرنے کی دھمکی دی اور بہت سے انبیاء کرام کو قتل بھی کیا۔ بالآخر کامیابی انبیاء علیہم السلام کو ہی ملی۔ (تفسیری خطبات حبان جلد اول)

حقوق اللہ اور حقوق العباد میں فرق

اسلام اپنے متبعین پر دو طرح کے حقوق عائد کرتا ہے، ایک اللہ کے حقوق اور دوسرے بندوں کے حقوق۔ ان دونوں میں توازن برقرار رکھتے ہوئے بہتر طریقے سے انہیں انجام دینا ضروری ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ذکر واذکار، سنن ونوافل، قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں تو اہل وعیال کی پرورش، رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک، مسکینوں کو کھانا کھلانا، یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرنا، بے کسوں کو سہارا دینا، تنگ دستوں کی مدد کرنا اور معاشرے کے کمزور افراد کی خبر گیری کرنا وغیرہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔

یہ دین کا ناقص اور غلط تصور ہے

عام طور پر حقوق کی ادائیگی میں بہت سی بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں۔ کچھ لوگ حقوق اللہ کی ادائیگی میں اس قدر منہمک ہوجاتے ہیں کہ بندوں کے حقوق کی ادائیگی کو کوئی

اہمیت نہیں دیتے۔ نمازوں کی پوری پابندی کرتے ہیں، سنن ونوافل کا خوب التزام کرتے ہیں اور ہمیشہ ذکر الٰہی میں رطب اللسان رہتے ہیں ان کے نزدیک اللہ کے حقوق ادا کرنا ہی اصل دینداری ہے، بندوں کے حقوق کی ادائیگی کو وہ دینی فریضہ ہی نہیں سمجھتے بلکہ اسے دنیاداری کا نام دیتے ہیں۔ کچھ لوگ اپنے گھر بار اور اہل وعیال کو چھوڑ کر دعوت واصلاح کے لئے طویل طویل سفر کرتے ہیں اور مہینوں گھر سے دور رہتے ہیں، انہیں اپنے اہل وعیال کی اور ان کے معاش اور ضروریات کی کوئی فکر نہیں رہتی، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کی راہ میں نکلے ہیں اللہ ہماری بیوی بچوں کی حفاظت اور کفالت کرے گا، یہ دین کا ناقص اور غلط تصور ہے۔

جو لوگ اللہ کے حقوق تو پابندی سے ادا کرتے ہیں اور بندوں کے حقوق ادا کرنے میں غفلت برتتے ہیں ایسے لوگ دیندار نہیں بلکہ سنگین مجرم ہیں جن کا جرم ناقابل معافی ہے۔ (عملی زندگی، ص/110)

اہل وعیال کی کفالت دین کا اہم فریضہ

اہل وعیال کی کفالت اور ان کے حقوق کی ادائیگی ایک اہم دینی فریضہ ہے یہ سنن ونوافل سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارہ کروایا۔

ایک مرتبہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ملاقات کیلئے ان کے گھر گئے تو ام الدرداء رضی اللہ عنہا کو پراگندہ حال پایا۔ حضرت

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: تم نے اپنی یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: آپ کے بھائی ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو دنیا سے کوئی تعلق نہیں (میں بناؤ سنگھار کیوں کر کرسکتی ہوں؟) اتنے میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے سامنے کھانا پیش کیا اور کہا کہ کھاؤ، انہوں نے کہا: میں روزے سے ہوں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اسی وقت کھاؤں گا جب کہ آپ کھائیں گے، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے مجبور ہوکر روزہ توڑ دیا اور ان کیساتھ کھانے میں شریک ہوگئے، رات ہوئی تو ابوالدرداء رضی اللہ عنہ قیام اللیل کیلئے کھڑے ہوئے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ابھی سوئے رہو، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو مجبوراً سونا پڑا، رات کے آخری پہر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے انہیں جگایا اور کہا کہ چلو اب نماز پڑھیں، پھر دونوں نے مل کر نماز ادا کی، اس کے بعد حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم پر اپنے رب کا حق ہے اسی طرح اپنے نفس اور اہل وعیال کا بھی حق ہے، ہر ایک کا حق ادا کرو، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ سنایا، آپ نے فرمایا: سلمان رضی اللہ عنہ نے ٹھیک کہا۔ (بخاری)

حج کے بجائے اہل وعیال کے حقوق کی ادائیگی کا حکم

بعض حالات میں اہل وعیال کے حقوق کی ادائیگی کو جہاد جیسی اہم عبادت پر مقدم کیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاَ یَخْلُوَنَ رَجُلٌ بِاِمْرَأَةٍ وَلاَ تُسَافِرَنَ اِمْرَأَةٌ اِلاَّ وَمَعَهَا مُحْرِمٌ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اِکْتَتَبَ فِیْ غَزْوِہٖ کَذَا وَ کَذَا وَخَرَجَتْ اِمْرَأَتِیْ حَاجَۃً قَالَ: اِذْھَبْ فَاحْجُجْ مَعَ اِمْرَأَتِکَ۔ (بخاری ومسلم: مشکاۃ المصابیح: ۲۵۱۳)

''کوئی بھی شخص کسی عورت سے تنہائی میں نہ ملے اور نہ ہی کوئی عورت بغیر محرم کے سفر کرے، ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں فلاں فلاں جنگ میں اپنا نام لکھوا چکا ہوں جب کہ میری بیوی حج کا ارادہ کر چکی ہے، بتائیے میں کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی بیوی کے ساتھ جاؤ اور فریضہ حج ادا کرو''۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے حق میں جہاد سے افضل حج ہے، اگر چہ حج اس کے حق میں نفل ہے کیونکہ اسکی بیوی پر حج فرض ہو چکا ہے اور وہ محرم کے بغیر اس کو ادا کرنے سے قاصر ہے''۔ (فتح الباری: ۹/ ۲۱۲)

حقوق اللہ اور حقوق العباد کا پاکیزہ نمونہ داعئ اعظم کی زندگی میں

مولانا یوسف اصلاحی لکھتے ہیں: ''اللہ اور بندوں کے حقوق کا مثالی احساس اور مطلوب امتزاج وہ پاکیزہ نمونہ ہے جو ہمیں داعی اعظم کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی قیام گاہ میں بیٹھے ہوئے ہیں، گھر کے لوگوں سے مختلف قسم کی گفتگوئیں ہو رہی ہیں اور ایک خوشگوار ماحول ہے کہ اسی دوران مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوتی ہے۔ اذان کی آواز سنتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم یکا ایک اس طرح اٹھ جاتے ہیں گویا گھر کے یہ سارے لوگ اجنبی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے کوئی سروکار نہیں۔ یہ اللہ سے حسن تعلق کا رخ ہے۔ دوسرا رخ ملاحظہ فرمایئے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں نماز پڑھا رہے ہیں۔ دل وابستگی سے ساتھ

قرآن پاک کی تلاوت کررہے ہیں اور بے اختیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جی چاہتا ہے کہ قراءت کچھ اور طویل کردیں کہ اسی دوران کسی بچے کے رونے کی آواز آتی ہے، آواز سنتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز مختصر کردیتے ہیں کہ ماں کے نازک دل کو بچے کے رونے کی وجہ سے کہیں تکلیف نہ پہنچ جائے‘‘۔ (شعور حیات: بحوالہ اسلام دین اعتدال: ۱۴۳)

دوسرے کا حق ادا کرو چاہے وہ تمہارا حق ادا نہ کرے

حسنِ معاشرت کی تعلیم، جو قرآن وحدیث میں دی گئی ہے، دو اصولوں پر مبنی ہے: ایک یہ کہ جس انسان کا جو حق شریعت نے بتایا ہے اس کو وہ حق پورا پورا دیا جائے، والدین کا حق، استاد کا حق، شوہر کا حق، بیوی کا حق، اولاد کا حق، رشتہ داروں کا حق، پڑوسیوں اور دوستوں کا حق وغیرہ۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ اپنا حق معاف کردے اور اس سلسلے میں حسنِ اخلاق سے پیش آئے۔

عام طور پر دنیا میں جو فساد و جھگڑا ہوتا ہے وہ ان اصولوں کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہوتا ہے؛ کیوں کہ لوگ اپنا حق وصول کرنے پر تو پورا زور لگاتے ہیں، مگر دوسروں کا حق ادا کرنے کا نمبر آتا ہے، تو معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے، سمجھتے ہیں کہ مجھے کسی کا حق ادا کرنا ضروری نہیں، بیٹا چاہتا ہے کہ باپ اس کا پوارا پورا حق ادا کرے؛ مگر یہ باپ کا حق ادا کرنا نہیں چاہتا، اس کی فکر نہیں کرتا، شوہر چاہتا ہے کہ بیوی اس کا پورا پورا حق ادا کرے؛ مگر یہ بیوی کا حق ادا کرنا نہیں چاہتا، اس کی فکر نہیں کرتا، اسی طرح سب لوگ چاہتے ہیں، اب بتایئے اگر ایسا رہا، تو معاشرتی زندگی میں نکھار کیوں کر آسکتا ہے؟ معاشرے کی اصلاح کیسے ہوسکتی ہے؟

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی فکر کریں، ہمارے حقوق چاہے کوئی ادا کرے یا نہ کرے۔ (حقوق کی ادائیگی، ص/55)

جب فقیر کو جھڑکنا جائز نہیں تو والدین کو جھڑکنا کیسے جائز ہو سکتا ہے

والدین سے انسان کا تعلق پیدائش سے پہلے سے قائم ہو جاتا ہے، جب کہ وہ ابھی باپ کی صُلب میں منی کے قطرات کی شکل میں تھا اور پھر وہاں سے منتقل ہو کر رحمِ مادر میں قرار پکڑا؛ اسی لیے اللہ و رسول کے بعد پوری کائنات میں سب سے بڑا کسی کا حق انسان پر ہے؟ والدین کا حق ہے۔ اسلام نے ان کے حقوق پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔

قرآنِ کریم میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے والدین سے حسنِ سلوک کی تعلیم دی ہے، اور کئی جگہ اللہ نے توحید کے بیان کے بعد متصلاً والدین کے حقوق کا ذکر کیا ہے، ایک جگہ ارشاد ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۔

اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں، تو انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو؛ بلکہ ان کے ساتھ عزت سے بات کیا کرو اور ان کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتے ہوئے ان کے سامنے اپنے آپ کو انکساری سے جھکاؤ اور یہ دعا کرو: ''یا رب! جس طرح انہوں نے مجھے میرے بچپن میں پالا ہے، آپ بھی ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ کیجیے۔ (بنی اسرائیل: ۲۳، ۲۴)

اس آیت میں والدین کے کئی حقوق بتائے گئے ہیں: ان کے ساتھ ہر حال میں حسنِ سلوک کرنے کا حکم ہے، ان کی طرف سے اچھا سلوک ہو، تب بھی اور اگر والدین

کی طرف سے کوئی بات ایسی پیش آجائے، جو تمہارے مزاج کے خلاف ہو، تب بھی تم خاموش رہو، برداشت کرو، کچھ نہ کہو، جھڑکی مت دو، فقیر کو بھی جھڑکی دینا شریعت میں جائز نہیں ہے، تو والدین کو جھڑکی دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

والدین کی طرف سے خلافِ طبیعت بات پیش آئے، تو بھی برداشت کرنا ہے؛ کیوں کہ ایک زمانہ وہ تھا، جس میں والدین بچے کی طرف سے ہونے والی ہر تکلیف کو برداشت کرتے تھے، جب بچہ چھوٹا تھا، رات رات بھر بچہ روتا تھا، والدین اس کے لیے جاگتے تھے اور ناراض بھی نہیں ہوتے تھے، خوشی خوشی اس تکلیف کو برداشت کرتے؛ بلکہ تکلیف ہی نہیں سمجھتے تھے، کبھی ان پر غلاظت وگندگی کرتا تھا، ماں بڑے پیار سے اس کی صفائی کرتی تھی، ماں اپنے پیٹ میں نو ماہ اسے رکھی رہی، بوجھ کو اٹھایا، پھر ولادت کے وقت دردِ زہ کو سنبھالا۔ یہ سب کچھ اور بھی بہت کچھ کیا بچے کے لیے؛ اس لیے اب بچے کو حکم ہے کہ وہ والدین کو برداشت کرے، اُف تک نہ کہے، جھڑکی نہ دے، بالخصوص جب وہ دونوں یا ان میں سے کوئی بڑھاپے کو پہنچ جائے، تو ان سے نرمی سے بات کرنے کا اور اچھی طرح بات کرنے کا اور ان کے سامنے عاجزی وتواضع اختیار کرنے اور ان کے آگے بچھ جانے کا حکم دیا ہے۔

یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ ان کے حق میں دعا کی جائے، وہ دعا بھی سکھلائی گئی ہے کہ یوں کہے: اے اللہ! اُن پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں بڑے رحم کے ساتھ میری پرورش کی ہے۔ اس دعا میں والدین کی خدمات کا اعتراف بھی ہے اور ان کے لیے دعا کا التزام بھی ہے۔

لیکن آج بچہ بڑا ہو کر ماں باپ کے سارے حقوق کو بُھلا بیٹھتا ہے، اپنے آپ کو

بڑا سمجھتا ہے، ان کو حقیر جانتا ہے، خود کو عقل مند سمجھتا ہے، ان کو بے وقوف خیال کرتا ہے، ان کی گستاخی کرتا ہے، یاد رکھو! یہ طریقہ وطرزِ عمل قرآن وحدیث کے بھی خلاف ہے اور عقل واخلاق کے بھی خلاف ہے۔ (حقوق العباد کی اہمیت، ص/ 77)

والدین کی خدمت سب سے بڑا جہاد ہے

علما نے لکھا ہے کہ والدین کے حقوق کا خلاصہ چار چیزیں ہیں: عظمت، محبت، خدمت اور اطاعت۔

ان کی عظمت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”ماں کے قدموں تلے جنت ہے اور باپ جنت کا دروازہ ہے“۔ (نسائی: ۲/ ۵۳، مشکوۃ: ۴۲۰)

والدین سے محبت کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ ”جو شخص اپنے والدین کو نظرِ رحمت سے دیکھے گا اس کو ہر ایک نظر پر ایک حجِ مبرور کا ثواب دیا جائے گا“۔ (مشکوۃ: ۴۲۱)

ان کی خدمت کے بارے میں فرمایا گیا کہ ایک صحابی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ میں جہاد کا ارادہ کر رہا ہوں، آپ نے فرمایا کہ کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ“ کہ تو ان کی خدمت کرکے جہاد کا ثواب حاصل کر۔ (الأدب المفرد: ۱۱)

اور ان کی اطاعت کے بارے میں فرمایا گیا کہ ”ان کی نافرمانی کبیرہ گناہوں میں سے ہے“۔ (البخاري: ۲/ ۸۸۴)

والدین اگر تم پر ظلم بھی کریں تب بھی ان کی خدمت کرنا لازم ہے

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر والدین

کوکوئی غصہ دلاتا ہے، تو اللہ اس سے غصہ وغضب میں آتا ہے، لوگوں نے پوچھا کہ والدین نے اگر ظلم کیا ہوتب؟ فرمایا کہ اگرچہ والدین نے ظلم ہی کیوں نہ کیا ہو، تب بھی ان کو غصہ دلانا خدا کے غضب کا باعث ہے۔ (الادب المفرد:۱۱)

غرض یہ کہ حسنِ معاشرت کو قائم رکھنے اور کامل انسان بننے کے لیے ایک طرف والدین کے حقوق جو ہمارے ذمہ ہیں، ان کو ادا کرنا ضروری ہے ۔ دوسرے اگر ہمارے حقوق میں ان سے کوتاہی ہوجائے، تو درگذر سے کام لینا چاہیے، اس کا اثر یہ ہوگا کہ دین وآخرت کے ساتھ انسان کی دنیا بھی بن جاتی ہے اور دنیا ہی میں اس کو جنت کا مزہ آنے لگتا ہے۔

بچوں کے حقوق والدین پر کیا ہیں؟

ہماری شریعت میں جس طرح والدین کے حقوق بتائے، اسی طرح بچوں کے جو حقوق والدین پر عائد ہوتے ہیں وہ بھی بتائے گئے ہیں کہ ان کا اچھا نام رکھا جائے ان کی اچھی تربیت کی جائے، ان کی اچھی تعلیم کا نظم کیا جائے اور ان کی شادی کی جائے۔

ایک حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إِنَّ مِنْ حَقِّ الْوَلَدِ عَلَى الْوَالِدِ أَنْ يُحْسِنَ اسْمَهُ وَيُحْسِنَ أَدَبَهُ''۔

بلاشبہ باپ کے ذمہ اپنی اولاد کا حق یہ ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور عمدہ تعلیم و تربیت دے۔ (مسند بزار:۸۵۴۰)

ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی باپ نے اپنے بچے کو عمدہ ادب و اخلاق سے بڑھیا کوئی تحفہ نہیں دیا۔ (ترمذي:۱۹۵۲،أحمد:۱۵۴۳۹،سنن بیہقي: ۵۳۰۰،شعب الإیمان:۱۱/۱۳۰)

اللہ نے ماں باپ کو ان ذمہ داریوں کا مکلف کیا ہے۔ دنیوی ذمہ داریاں بھی ہیں اور ماں باپ پر دینی ذمہ داریاں بھی ہیں کہ بچوں کے اخلاق کو سنواریں، ان کے ایمان کو مضبوط بنانے کی فکر کریں، ان کے اندر توکل علی اللہ پیدا کریں، نیک صفات پیدا کریں، ان کے اندر خوف وخشیت پیدا کریں، تعلق مع اللہ پیدا کریں، ماں باپ کا حق بھی بتائیں، بڑوں اور چھوٹوں کے آداب بھی سکھائیں۔

اگر ماں باپ نے اس طرح بچوں کی تربیت نہیں کی، تو وہ بچوں کے حقوق میں کوتاہی کے خطاکار ہیں اور ایسے بچے بڑے ہوکر خود ماں باپ کی قدر نہ کریں، غلط راہوں پر پڑ جائیں، تو اس کے ذمہ دار بھی والدین ہی ہوں گے۔

حقوق العباد میں کوتاہی کن کن سے ہوتی ہے

ہمارا دعویٰ ہے کہ مسلمان غیر مسلموں کو ایذا وتکلیف پہنچانے اور ان پر ظلم وزیادتی کرنے سے دور ہیں؛ مگر حقیقت کو واضح کرنے یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ مسلمان خود آپس میں نزاع وجھگڑے میں پڑ کر حقوق العباد میں کوتاہی کررہے ہیں۔ خاندانی جھگڑے، جماعتی جھگڑے اور تعصّبات، ایک دوسرے کے حقوق کو ادا کرنے سے باز رکھے ہوئے ہیں؛ نیز تجارت ومعاملات میں خدائی احکام کی خلاف ورزی بھی عام ہوگئی ہے؛ لہٰذا یہ اور اس جیسی باتوں کی وجہ سے خدائی عتاب نازل ہوتا ہے۔

رہے وہ صفات، جس کا ذکر رسالے (صفحہ/۶، ۷) میں کیا ہے کہ یہ اوصاف عام مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں، تو ہمیں بھی اس کا انکار نہیں؛ بلاشبہ مسلمان بہت سی خوبیوں کا مالک ہے اور جن کا ذکر کیا گیا ہے، ان سے ہزاروں درجہ زیادہ کا حامل ہے؛ مگر جیسا کہ

عرض کیا گیا بعض اعمال بھی ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر عتاب نازل ہوتا ہے۔ مثلاً علما: سے بغض، ناپ تول میں کمی، امانت میں خیانت، مال کے لیے نکاح کرنا وغیرہ اور ان برائیوں کا جو حقوق العباد سے متعلق ہیں، مسلمانوں میں شائع اور عام ہونا معلوم ہے۔ بس اسی سے روکنے کے لیے علمائے اہلِ اسلام یہ عیوب بیان کر کے خدا کا ڈر اور خوف پیدا کرتے ہیں۔

رہے علما و ذمے دارانِ قوم، تو نہ علما نے ہی یہ دعوی کیا، نہ قائدینِ اسلام نے کہ وہ معصوم ہیں؛ بلکہ ہم نے تو دیکھا ہے کہ علما سے کوتاہی ہوتی ہے، تو وہ پشیمان و پریشان ہوتے ہیں، توبہ و انابت الی اللہ میں مشغول ہو جاتے ہیں، احساس ندامت سے اشک بار آنکھوں کے ساتھ خدا کے حضور گڑگڑاتے ہیں۔ اور عوام بھی غلطی کرتے ہیں؛ مگر یہ پشیمانی و پریشانی، یہ احساس ندامت اور توبہ و انابت ان میں نہیں دیکھی جاتی۔

غرض یہ کہ کوتاہی میں سب شامل ہیں؛ الا ماشاء اللہ۔ مگر پھر بھی علما اور عوام میں فرق ہے؛ مگر عجیب بات یہ ہے کہ مدعیانِ تحقیق کو سارے عیوب علما میں نظر آ رہے ہیں اور عوام میں کچھ نظر نہیں آ رہے ہیں، جیسے بعض بے بصیرت اہلِ نظر کو ہندوستان کے تمام فسادات میں مسلمانوں کا قصور نظر آتا ہے، ہندؤں کا نہیں۔ اگر نظر کے ساتھ بصیرت بھی حاصل ہوتی! تو یوں نہ کہتے؛ یہی حال اکیڈمی کے محققین حضرات کا ہے۔ (جواہر شریعت حصہ دوم)

ایک ایک کر کے آخرت میں حقوق العباد کا حساب ہوگا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس نے دریافت فرمایا کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم تو اُسے مفلس سمجھتے ہیں جس کے پاس درہم ۱ نہ ہو اور مال نہ ہو۔ یہ سن کر آنحضرت نے فرمایا کہ بلا شبہ میری اُمت کا حقیقی

مفلس وہ ہوگا جو قیامت کے روز نماز اور روزے اور زکوۃ لے کر آئے گا (یعنی اُس نے نمازیں پڑھی ہوں گی اور روزے بھی رکھے ہوں گے زکوۃ بھی ادا کی ہوگی) اور (ان سب کے باوجود) اس حال میں (میدانِ حشر میں) آئے گا کہ کسی کو گالی دی ہوگی اور کسی کو تہمت لگائی ہوگی اور کسی کا ناحق مال کھایا ہوگا اور کسی کا ناحق خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا (اور چونکہ قیامت کے دن فیصلے کا دن ہوگا) اس لیے اس شخص کا فیصلہ اس طرح کیا جائے گا کہ جس جس کو اُس نے ستایا تھا اور جس جس کی حق تلفی کی تھی سب کو اُس کی نیکیاں بانٹ دی جائیں گی، کچھ اس کی نیکیاں اس حقدار کو دی جائیں گی اور کچھ اس حقدار کو دی جائیں گی پھر اگر حقوق پورا ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہوجائیں گی تو حقداروں کے گناہ اس کے سر ڈال دیے جائیں گے پھر اُس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (مسلم شریف)

دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے کسی بھائی پر ظلم کر رکھا ہو اُس کی بے آبروکی ہو یا اور کچھ حق تلفی کی ہو تو آج ہی (اُس کا حق ادا کرکے یا معافی مانگ کر) اُس دن سے پہلے حلال کرالے جس روز نہ دینار ہوگا نہ درہم ہوگا (پھر فرمایا کہ) اگر اِس کے کچھ اچھے عمل ہوں گے تو بقدرِ ظلم اِس سے لے لیے جائیں گے اور اگر اِس کی کچھ نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کی برائیاں لے کر اِس ظالم کے سر پر رکھ دی جائیں گی۔ (بخاری شریف)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ صرف پیسہ کوڑی دبا لینا ہی ظلم نہیں ہے بلکہ گالی دینا، تہمت لگانا، بیجا مارنا، بے آبروئی کرنا بھی ظلم اور حق تلفی ہے، بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم دیندار ہیں مگر اِن باتوں سے ذرا نہیں بچتے، یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کو توبہ واستغفار سے معاف فرما دیتا ہے مگر بندوں کے حقوق جب ہی معاف ہوں گے جبکہ اُن کو ادا کردے یا اُس سے معافی مانگ لے۔

اور یہ بھی واضح رہے کہ معافی وہ معتبر ہے جو معاف کرنے والا بالکل رضا ورغبت کے ساتھ اپنے نفس کی خوشی سے معاف کردے، دل کے اُوپر اُوپر کی معافی جو مروّت میں کردی جائے یا یہ سمجھتے ہوئے کوئی شخص معاف کردے کہ اِن کو دینا تو ہے ہی نہیں، چلو ظاہری طور پر معاف ہی کردیں تاکہ تعلقات خراب نہ ہوں تو ایسی معافی کا کچھ اعتبار نہیں۔

حقوق العباد ادا کرنے اور بیوی کے پاس وقت گذارنے کا بھی حکم ملتا ہے

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے فرمایا: ثواب حکم پر ملتا ہے، عورت کے پاس جانے کا بھی حکم ہے، نماز پر جو (ثواب) دے گا وہی یہاں بھی دے گا۔

(ارشادات ومکتوبات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص: ۲۴)

فائدہ: حضرتؒ نے اس ارشاد میں دین کی حقیقت کو بیان فرمایا ہے کہ اصل دین یہ ہے کہ آدمی ہر موقع پر حکم خداوندی کو پورا کرے جس وقت جس حال اور جس مکان و زمان اور جس شخص کے لیے جو حکم ہو اس وقت کے حکم کو پورا کرنا ہی دین ہے، گو بظاہر دنیا معلوم ہو اور لوگوں سے تعلقات قائم ہوں، لیکن شریعت کے مطابق ان کاموں کو انجام دینے میں بھی ثواب ملے گا، مثلاً نماز کے وقت میں نماز پڑھنے کا حکم ہے، اس میں عبادت کا ثواب ملے گا، والدین کی خدمت کرنا، ان کی دلجوئی کے لیے ان کے پاس بیٹھنا، بیوی کے حقوق ادا کرنا، اس کے پاس وقت گذارنا، اس کی خوشی اور دلجوئی کا لحاظ کرنا، اولاد بیمار ہو اس کے علاج کی فکر کرنا، ادائیگی نفقہ کے لیے معاش کی صورت اختیار کرنا، کاروبار کرنا، وغیرہ وغیرہ یہ سب اپنے اپنے وقت کے شرعی اوامر ہیں۔ جس طرح

عبادت کرنے اور نماز پڑھنے میں ثواب ملتا ہے اسی طرح اشخاص وافراد اور گھر والوں کے حقوق ادا کرنے اور وقت کے شرعی حکم پر عمل کرنے میں بھی ثواب ملتا ہے، مختلف دینی کاموں، اور دعوت وتبلیغ، تصنیف وتالیف، عبادت وریاضت میں اس طرح لگنا جس سے دوسرے شرعی احکام فوت ہونے لگیں، دوسروں کے حقوق ضائع ہونے لگیں اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی ہونے لگے، ناجائز اور حرام ہے، اور یہی چیز آدمی کے اندر رہبانیت پیدا کردیتی ہے، شریعت نے اس سے بچایا ہے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اپنے لوگوں کو اسی غلو سے بچانا چاہتے ہیں۔

جن کی خدمت وراحت تم پر فرض ہے ان کا انتظام کرکے، ان کو مطمئن کرنے کے بعد اس کام میں نکلو

فرمایا: جن لوگوں کے حقوقِ خدمت تم پر ہیں اور جن کی اطاعت کرنا تمہارے لیے ضروری ہے ان کی خدمت وراحت کا انتظام کرکے اور ان کو مطمئن کرکے اس کام میں نکلو اور اپنا رویہ ایسا رکھو کہ تمہارے علم وصلاح کے ذوق میں ترقی دیکھ کر تمہارے سرپرست اس مشغلہ میں تمہارے لگنے سے نہ صرف یہ کہ مطمئن ہوں بلکہ خواہاں اور راغب ہوجائیں‘‘۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ص:۶۷-۷۲)

فائدہ: حضرت اقدسؒ اپنے تمام تبلیغی احباب کو خصوصاً تبلیغ میں وقت لگانے والوں اور اللہ کے راستہ میں نکلنے والوں کو نہایت اہم اور ضروری امر کی ہدایت فرمارہے ہیں کہ نکلنے سے پہلے تم اپنے اوپر عائد ذمہ داریوں اور حقوق کو ادا کرتے ہوئے اللہ کے راستہ میں نکلو، اپنی ذمہ داریوں میں کوتاہی کرکے اور حقوق ضائع کرکے ہرگز اللہ کے راستہ میں نہ نکلو۔

خبردار! یہ دھوکہ نہ ہو کہ یہ تو ایثار اور قربانی اور بڑا مجاہدہ ہے، یہ شیطانی دھوکہ ہے کہ ہرحال میں نکل پڑو خواہ والدین اور بیوی بیمار ہو، کوئی خدمت گزار اور تیاردار بھی موجود نہ ہو، بس ہرحال میں اللہ کے راستہ میں نکل پڑو، حضرتؒ نے اسی شیطانی حربہ اور دھوکہ سے جو جہالت کے نتیجہ میں ہوتا ہے تمام تبلیغی احباب کو متنبہ کیا ہے، آج کل اس میں بڑی کوتاہیاں ہوتی ہیں، وضاحت کے لیے میں اس کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

(۱) بہت سے تنخواہ دار ملازمین حضرات خواہ وہ سرکاری، ملازم ہوں یا غیر سرکاری خواہ کسی مدرسہ ومکتب ہی کے ملازم کیوں نہ ہوں ان کے ذمہ جو کام سپرد کیا گیا ہے اور جس کام کے وہ ملازم ہیں اس میں کوتاہی اور نقصان کرکے اگر وہ اس کام میں نکلیں گے تو گنہگار ہوں گے، ان پر واجب ہے کہ ان کے سپرد جو کام ہے اس کا انتظام کرکے قانونی اجازت کے بعد اس کام میں نکلیں۔

(۲) کسی شخص کے والدین ضعیف یا بیمار ہیں، کوئی دوسرا قابل اطمینان خدمت گار اور تیمارداری کرنے والا موجود نہیں، یا ہے لیکن والدین کو اس سے اطمینان وانشراح نہیں وہ آپ ہی کی خدمت کو اور قریب میں رہنے کو پسند کرتے ہیں، ایسی صورت میں آپ کے لیے اللہ کے راستہ میں نکلنا اور وقت لگانا جائز نہیں، نکلیں گے تو گنہگار ہوں گے، اویس قرنیؒ کا قصہ معروف ومشہور ہے ان کی والدہ بیمار تھیں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے خدمت میں حاضر ہونا چاہتے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا، اور حکم دیا کہ والدہ کی خدمت میں رہو، سخت طبعی تقاضے کے باوجود حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے، اور صحبت نبوی کا شرف حاصل نہ ہوسکا، اگر حضور پاک کے حکم کے خلاف کرتے تو گنہگار ہوتے، اور بھی متعدد صحابہ کو آپ نے والدین کی خدمت کی وجہ سے جہاد میں شرکت کی اجازت نہیں دی۔

(۳) بہت سے حضرات کے متعلق معلوم ہوا کہ گھر میں ان کی اہلیہ بیمار، بچے چھوٹے چھوٹے، کوئی دوا لانے والا اور خدمت کرنے والا نہیں، یا بیوی حالت حمل میں ہے، ولادت کا زمانہ قریب ہے، تکلیف شدید ہے، حالات ایسے ہیں کہ شوہر ہی اس کے دکھ درد کو ہلکا کر سکتا ہے، وہ ایسے وقت میں اپنے شوہر کی خدمت اور دلجوئی کی محتاج ہے، دوسرے ضروری انتظامات علاج ومعالجہ کے تعلق سے شوہر صاحب ہی کی ذمہ داری ہے، لیکن شوہر صاحب کو ان کے دینی اور تبلیغی بھائی اللہ کے راستہ میں نکلنے پر زور دیتے ہیں، اصرار کرتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ تم پالتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ اللہ کی ذات پر تم کو بھروسہ نہیں؟ اگر تم آج مر جاؤ تو پھر کون سارے کام کرے گا؟ ایسی ایسی باتیں کہہ کر اس کو نکلنے کے لیے مجبور کرتے ہیں، بسا اوقات یہ شخص خود ہی کسی کی جوش والی تقریر سن کر بیوی بچوں کو چھوڑ کر اللہ کے راستہ میں نکل کھڑا ہوتا ہے، کوئی حضرت ابراہیم اور حضرت ہاجرہ واسماعیل علیہم السلام کا قصہ سنا کر جوش دلاتا ہے، کوئی بیوی بچوں اور خاندان وکنبہ کی وجہ سے اللہ کے راستہ میں نہ نکلنے کی وجہ سے عذاب کی دھمکیوں والی آیت پڑھ کر سناتا ہے، نتیجہ یہ کہ بیچارے جاہل ایسی باتوں کو سن کر ہر حال میں بیوی بچوں کو تڑپتا بلکتا چھوڑ کر چل دیتے ہیں، بعض تو کہتے ہیں کہ اجتماع گاہ سے گھر واپس جانے کی ضرورت نہیں۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اسی بات کی طرف تبلیغی احباب کو تنبیہ فرمارہے ہیں کہ خبردار دھوکہ نہ ہو، حقوق کو ضائع کر کے مت جاؤ، اپنے متعلقین اور جن کی خدمت تم پر واجب ہے ان کا پورا انتظام کر کے جاؤ، آئندہ اگر تمہاری ہی ضرورت پیش آئے گی تو ہرگز تم مت جاؤ، بعض جگہ ولادت کے موقع پر بعض صاحبان اپنی بیوی کو اس کے میکے چھوڑ آئے، اور نکل گئے جماعت میں، اب بیوی اور اس کے والدین سب پریشان

یہ دین نہیں بد دینی ہے، جہالت ہے، شیطانی حربہ ہے، ظلم ہے، زیادتی ہے، اللہ تعالیٰ فہم نصیب فرمائے۔

بہت سے حضرات کو دھوکہ ہوتا ہے حضرت ابراہیم و ہاجرہ کے قصہ سے کہ دین کے خاطر انہوں نے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی بیوی ہاجرہ اور معصوم بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بے آب وگیاہ میدان میں چھوڑ دیا، اوران کے ضائع ہوجانے کی کچھ پرواہ نہیں کی، حالانکہ اس موقع پر کچھ کھانے پینے کا بھی سامان نہ تھا، اس قسم کے واقعات سے لوگوں کو دھوکہ ہوتا ہے، واضح رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے یہ صریح حکم تھا ان پر ایسا کرنا واجب ہے، اور ہم تو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے پابند اوراسی کے مکلف ہیں، ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کو سامنے رکھ کران جیسا اگر ہم عمل کرنے لگیں گے تو ناجائز اور حرام کے مرتکب ہوں گے، ہلاکت ہوگئی، تو قتل کے گنہگار ہوں گے، اسی طرح خاندان آباء وابناء والی آیت جس میں اللہ کے راستہ میں نہ نکلنے پر عذاب کی دھمکی ہے اس کا تعلق بھی جہاد کی خاص نوع اور خاص حالات سے ہے، ان سب کی وجہ سے بیوی بچوں کی طرف سے بے فکر ہوکر جماعت یا خانقاہ میں جانا جائز نہیں، اسی اہم بات کی طرف حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے تبلیغ والوں کو متوجہ فرمایا ہے کہ خبردار! تبلیغ میں نکلنے کے نام سے گنہگار مت ہونا، حدود وقیود کا لحاظ رکھنا۔ قرآن وحدیث کی یہی تعلیم ہے۔ (دعوت وتبلیغ کے اصول وآداب۔ اورکام کرنے والوں کے لئے ضروری ہدایات اوراہم نصائح)

اپنی اصلاح کی فکر کیجئے، دوسروں کے پیچھے نہ پڑیئے

فرمایا: تبلیغ میں نکلنے والوں کو دوسروں کی ہدایت سے نظر بالکل بند کرلینی چاہیئے۔

(ارشادات ومکتوبات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ص: ۳۰)

فائدہ: تبلیغ میں نکلنے والوں کو حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے خصوصی ہدایت کی ہے کہ اپنی اصلاح کی طرف توجہ رکھو اور اپنی ہی اصلاح کی غرض سے نکلو، دوسروں کی ہدایت اور ان کی اصلاح کی طرف سے نظر بند کرلو، ورنہ اپنی اصلاح سے کورے رہ جاؤ گے، بسا اوقات اس میں یہ خرابی بھی آجاتی ہے کہ شیطان ایسے شخص کو تکبر میں مبتلا کردیتا ہے اپنا تقدس و پاکبازی اور دوسرے کی حقارت دل میں آجاتی ہے جس کی وجہ سے آدمی شیطان والے مرض میں یعنی تکبر میں مبتلا ہوکر ہلاک ہوجاتا ہے، حدیث پاک میں ایک ایسے ہی مبلغ وداعی کا تذکرہ ہے جو دوسرے کی ہدایت کے پیچھے پڑا رہتا تھا، بالآخر اس کو حقیر سمجھا اور یہ کہا کہ اللہ اس کی مغفرت نہ کرے یا اللہ مرنے کے بعد ہم دونوں کو ایک جگہ جمع نہ کریئے گا، اپنے کو جنت کا اور اس کو دوزخ کا مستحق سمجھا حدیث پاک میں مفصل قصہ مذکور ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دونوں کے انتقال کے بعد اللہ نے اس گنہگار کے لیے جنت کا فیصلہ کیا اور ان عابد و مبلغ صاحب کے لیے دوزخ میں جانے کا فیصلہ کیا۔ (ابوداؤد شریف کتاب الادب، باب فی النہی عن البغی، بذل المجہود ص ۲۵۸، ج ۵)

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اپنے تبلیغی احباب کو اسی خطرہ سے بچانا چاہتے ہیں کہ خبردار ایسا نہ ہو کہ تم تبلیغ میں لگ کر بھی اپنی اصلاح کی طرف سے غافل ہوجاؤ اور دوسروں کی حتی کہ اہل علم کی حقارت تمہارے دل میں آجائے۔

حضرتؒ اسی مضرت اور ہلاکت کے خطرہ سے بچانا چاہتے ہیں، آپ کے فرمان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر کسی علاقہ میں لوگ واقعی مختلف قسم کی گمراہیوں میں مبتلا ہوں، دین سے دور اور طرح طرح کی خرافات و بدعات اور منکرات میں مبتلا ہوں، ان کی اصلاح اور ان کی ہدایت و رہبری کی طرف قدم نہ اٹھایا جائے، اور ان کو راہ راست پر لانے کی نیت سے تبلیغ نہ کی جائے، ایسا کرنا تو ضروری ہے۔

اصلاً یہ بات حضرتؒ نے مبتدیوں کے لیے فرمائی ہے کہ تبلیغ میں نکل کر دوسروں کی نہیں پہلے اپنی فکر کرو، ورنہ اپنی اصلاح سے بھی رہ جاؤ گے، باقی جو لوگ برابر نکلتے رہتے ہیں، اور اپنی اصلاح کی طرف سے غافل نہیں ہیں، اور کسی علاقہ وخطہ میں لوگ گمراہیوں کا شکار ہیں، تو ان کے پاس ان کی ہدایت کی نیت سے جانے کی ممانعت نہیں بلکہ شرعی حکم ہے، آیت ''لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ (اعراف:۱۶۴، پ:۹)

زمانہ جاہلیت کے دو مرض، رہبانیت اور خدا فراموشی

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو سرزمین عرب میں اس حوالے سے دو انتہائیں تھیں۔ ایک طرف رہبانیت تھی کہ اللہ کی رضا کے لیے دنیا کے تمام معاملات چھوڑ دیے جائیں، رہبانیت سے مراد یہ ہے کہ دنیا سے قطع تعلق کر کے جنگلوں اور پہاڑوں میں اکیلے زندگی بسر کی جائے، یہ حقوق اللہ کا غلبہ تھا کہ صرف اللہ کی بندگی کی جائے اور دنیاوی معاملات مثلاً بیوی بچوں اور معاشرت وغیرہ کو ضروری نہ سمجھا جائے، نبی کریمؐ نے اپنے متعدد ارشادات میں واضح طور پر رہبانیت کے تصور کی نفی فرمائی ہے۔ دوسری طرف خدا فراموشی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے وجود سے ہی انکار تھا، یا پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور آسمانی تعلیمات کی نافرمانی اس قدر عروج پر تھی کہ وہ زمانہ اسلامی تعلیمات کی رو سے دورِ جاہلیت قرار پایا۔

اسلام نے حقوق اللہ اور حقوق العباد میں توازن قائم کیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِى الْقُرْبٰى

وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ۔ (سورۃ النساء:۳٦)

اورتم اللہ کی عبادت اختیار کرواوراس کے ساتھ کسی چیز کوشریک مت کرواوروالدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرواوراہلِ قرابت کے ساتھ بھی اوریتیموں کے ساتھ بھی اورغریب غرباء کے ساتھ بھی اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اوردوروالے پڑوسی کے ساتھ بھی اورہم مجلس کے ساتھ بھی اورراہ گیر کے ساتھ بھی اوران کے ساتھ بھی جوتمہارے مالکانہ قبضے میں ہیں۔

اسلامی تعلیمات کا اصول یہ ہے کہ فرائض میں حقوق اللہ مقدم ہیں جبکہ فرائض کے علاوہ نوافل، مستحبات اورمباحات میں حقوق العباد مقدم ہیں۔اوراگرحقوق اللہ اورحقوق العباد میں ٹکراؤ کی نوبت آجائے توبھی بعض صورتوں میں حقوق العباد مقدم ہیں۔(سیرتِ نبویؐ)

رنگ ونسل، زبان، برادری اورعلاقہ کی بنیاد پرکوئی عزت نہیں ملے گی عزت داروہی ہے جو پرہیزگار ہے

آج یہ کہا جاتا ہے کہ رنگ،نسل، برادری، زبان اورعلاقہ کی بنیاد پرانسانوں کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہیں ہونا چاہیے۔دنیا کے مختلف خطوں میں بسنے والے،مختلف زبانیں بولنے والے،مختلف معاشرت رکھنے والےاورمختلف رنگ ونسل کے لوگ یکساں سلوک کے مستحق ہیں اوربحیثیت انسان برابرہیں۔اسلام نے یہی بات تقریباً ڈیڑھ ہزارسال قبل کہی تھی۔عرب قبائل کے اس معاشرے میں رسول اللہؐ کی بعثت کے وقت صورت حال یہ تھی کہ قریش اورغیرقریش کے لوگ برابرنہیں سمجھے جاتے تھے۔اگرقریش

کے کسی فرد کے ہاتھوں کسی دوسرے قبیلے کا آدمی قتل ہو جاتا تھا تو قصاص میں قریش کا آدمی قتل نہیں ہوتا تھا، قریش اور غیر قریش کا خون برابر نہیں سمجھا جاتا تھا، لیکن اگر کسی دوسرے قبیلے کے ہاتھوں قریش کا کوئی آدمی قتل ہوجاتا تو قصاص میں دو آدمی قتل کیے جاتے۔ یہ ایسا معاشرہ تھا جہاں عرب والے عجمیوں کو اپنا ہم پلہ نہیں سمجھتے تھے۔ ''عرب'' اور ''عجم'' کے الفاظ ہی اس معاشرے کی کیفیت پر دلالت کرتے ہیں، ''عرب'' کا معنٰی ہے بولنے والا جبکہ ''عجم'' کا معنٰی ہے گونگا۔ عرب کے لوگ کہتے تھے کہ زبان تو ہم لوگ بولتے ہیں باقی سب گونگے ہیں۔ جناب رسول اللہؐ نے اس فرق کے خاتمے کا اعلان کیا، حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا۔

ان اللہ عز و جل یقول یا ایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثٰی و جعلنٰکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم، فلیس لعربی علیٰ عجمی فضل و لا لعجمی علیٰ عربی فضل و لا لاسود علیٰ ابیض و لا لابیض علیٰ اسود فضل الا بالتقویٰ۔ (المعجم الکبیر، ۱۸/ ۱۲، رقم ۱۶)

کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے لوگو! میں نے تمہیں ایک ہی مرد اور عورت (آدم و حوا) سے پیدا کیا ہے اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں اس لیے تقسیم کیا ہے تاکہ یہ باہم تمہاری پہچان کا ذریعہ ہو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت کا مستحق وہ ہے جو زیادہ حدود کا پابند ہے۔ اس لیے کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سیاہ فام کو کسی سفید فام پر اور کسی سفید فام کو کسی سیاہ فام پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔

رسول اللہؐ نے اس میں ایک تقسیم فرمائی ہے، حضورؐ نے لوگوں کو حقوق میں یکساں قرار دیا ہے لیکن تکریم میں برابر قرار نہیں دیا۔ الّا بالتقویٰ میں حضورؐ نے یہی بات فرمائی

ہے کہ رنگ و نسل اور ذات پات کے اعتبار سے سب انسانوں کے حقوق برابر ہیں لیکن عزت و تکریم میں سارے یکساں نہیں ہیں اس لیے کہ عزت و تکریم کا مدار کردار، اعمال اور تقویٰ پر ہے۔

رسول اللہؐ نے رنگ و نسل کے امتیاز کو صرف زبان سے ہی نہیں ختم کیا بلکہ عمل سے بھی ختم کیا اور مساوات کا ایک جامع اور مکمل نمونہ پیش کیا۔ جب مکہ فتح ہوا تو دس ہزار صحابہؓ کا لشکر آپ کے ساتھ تھا، ان میں بڑے بڑے اکابر صحابہ موجود تھے، السابقون الاولون بھی تھے، مہاجرین بھی تھے اور انصار بھی۔ لیکن خانہ کعبہ سے بتوں کی صفائی کے بعد آپؐ نے سب سے پہلی اذان کے لیے کس کا انتخاب کیا؟ حضورؐ نے حضرت بلال حبشیؓ سے فرمایا کہ بلال آؤ اور خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اللہ کا نام بلند کرو، آج مسلمانوں کے اِس اقتدار کا افتتاح تمہاری اذان سے ہوگا۔ حضرت بلالؓ کعبہ کی چھت پر چڑھے، اللہ اکبر کہا، اذان کے ساتھ کلمہ حق بلند کیا اور مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کے اقتدارِ اعلیٰ کا اعلان کیا۔ حضورؐ کے حکم سے حضرت بلالؓ کے اس عمل نے مسلمانوں کی تاریخ میں کالے اور گورے کے اس فرق کو ہمیشہ کے لیے پاؤں کے نیچے روند ڈالا، رسول اللہؐ نے اپنے قول و عمل کے ساتھ دنیا کو کالے اور گورے کا امتیاز مٹا کر دکھایا۔ روایات میں آتا ہے کہ حضورؐ کے وصال کے بعد جب حضرت بلالؓ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس آیا کرتے تھے تو حضرت عمرؓ ان کا استقبال ان الفاظ سے کیا کرتے تھے انت اخونا و مولانا کہ بلالؓ تم ہمارے بھائی بھی ہو اور ہمارے سردار بھی ہو۔ ''مولا'' کا معنیٰ ہے سردار، آقا، بڑا، بزرگ۔

ہر کسی کے جان، مال اور آبرو کی حفاظت ہم پر فرض ہے

انسانی حقوق کے حوالے سے یہ بات کہی جاتی ہے کہ معاشرے میں جان، مال اور آبرو کا تحفظ انسان کا بنیادی حق ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ان دماء کم وأموالکم واعراضکم علیکم حرام کحرمت یومکم ھذا فی شھرکم ھذا وفی بلدکم ھذا او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم۔ (بخاری، رقم ۴۰۵۴، ۶۵۵۱)

کہ تمہاری جانیں، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں، تم پر (آپس میں) اسی طرح حرام ہیں جیسے اس دن اور اس مہینے میں تمہارے اس شہر کی حرمت ہے۔ بخاری کی ایک اور روایت میں وابشارکم کا لفظ بھی ہے کہ تمہارے چمڑے بھی ایک دوسرے پر حرام ہیں کہ کوئی شخص کسی دوسرے پر ہاتھ نہ اٹھائے۔

اسی طرح ایک موقع پر ارشاد فرمایا۔

ألا، انما ھن أربع: أن لا تشرکوا باللہ شیئاً، ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الاّ بالحق، ولا تزنوا، ولا تسرقوا۔ (مسند احمد، ۱۸۲۲۰)

کہ آگاہ رہو! ان چار باتوں سے بچنا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، خدا کی حرام کردہ کسی جان کو ناحق قتل نہ کرنا، زنا نہ کرنا اور چوری نہ کرنا۔

نبی کریمؐ نے فرمایا: **الا لا تظلموا، الا لا تظلموا، الا لا تظلموا، انہ لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منہ۔** (مسند احمد، ۱۹۷۷۴)

کہ سنو، ظلم نہ کرنا۔ سنو، ظلم نہ کرنا۔ سنو، ظلم نہ کرنا۔ کسی شخص کا مال اس کے دل کی خوشی کے بغیر لینا حلال نہیں ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہؐ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! اگر مجھے اپنے چچازاد بھائی کی بکریوں کا ریوڑ دکھائی دے اور میں ان میں سے ایک بکری

لے کر اس کو ذبح کرلوں تو کیا مجھے اس کا گناہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا، اگر تمہیں کوئی بکری وادی میں اس حال میں ملے کہ اس نے چھری اور (آگ جلانے کے لیے) پتھر بھی اٹھا رکھے ہوں، تب بھی تم اس کو ہاتھ مت لگانا۔ (بیہقی، السنن الکبریٰ، ۱۱۳۰۵)

نبی کریمؐ نے فرمایا **العاریة موداة**، عاریت کے طور پر لی ہوئی چیز واپس کی جائے، **والمنحة مردودة** دودھ پینے کے لیے جو جانور کسی نے دیا ہو اسے لوٹایا جائے، **والدین مقضی** لیا ہوا قرض ادا کیا جائے، **والزعیم غارم** اور قرض کا ضامن (قرض ادا نہ ہونے کی صورت میں) ذمہ دار ہوگا۔ (ترمذی، ۲۰۴۶)

رسول اللہؐ نے ایسی گفتگو کو گناہِ عظیم بتایا ہے جس سے کسی کی بے عزتی کا پہلو سامنے آتا ہو۔ جو شخص کسی پر بدکاری کی تہمت لگائے وہ سزا کا مستحق ہے کہ اس نے کسی دوسرے کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہے۔ اسی طرح قرآن نے غیبت سے منع فرمایا۔

وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ۔ (سورۃ الحجرات: ۱۲)

اور کوئی کسی کی غیبت نہ کیا کرے، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، سو تم اس کو ناپسند کرتے ہو۔

ایک صحابیؓ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! جس شخص کے عیب کا ذکر کیا جائے اگر اس شخص میں وہ عیب ہو کیا تب بھی ذکر کرنا منع ہے؟ صحابیؓ کے ذہن میں شاید یہ تھا کہ کسی کا ایسا عیب ذکر کیا جائے جو اس میں نہ ہو، تب غیبت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، اسی کا نام تو غیبت ہے۔ ایک آدمی میں کوئی عیب موجود ہے اور اس عیب کو کسی جگہ خواہ مخواہ مجلس آرائی کے لیے بلا ضرورت ذکر کرنا، اسی کا نام غیبت ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اگر

اس شخص میں وہ عیب نہیں ہے تب تو یہ بہتان ہوگا۔ جان و مال اور آبرو کا تحفظ اسلام سے زیادہ کس نے کیا ہے؟ اسلام کے احکام سے زیادہ جامع احکام کس کے ہیں کہ کسی کو ناحق قتل کرنا، کسی کی عزت کو مجروح کرنا، کسی کی غیبت کرنا اور کسی پر بہتان لگانا، یہ سب قابل سزا جرم قرار پائے ہیں۔

حقوق العباد ذمہ میں باقی رکھنے کی صورتِ مثالی

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے۔ ثُمَّ اَتٰی عَلٰی رَجُلٍ قَدْ جَمَعَ حَزْمَةً عَظِیْمَةً لَایَسْتَطِیْعُ حَمْلَهَا وَهُوَ یَزِیْدُ عَلَیْهَا۔

تو ایک ایسے آدمی پر گذر ہوا جس نے لکڑیوں کا ایک بھاری گٹھر جمع کر رکھا ہے، اتنا بھاری ہے کہ اٹھا بھی نہیں سکتا، اس کے باوجود اور اس کو بڑھا رہا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ مَا هٰذَا یَا جِبْرِیْلُ؟ جبرئیل علیہ السلام! یہ کیا ہے؟

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا:

هٰذَا الرَّجُلُ مِنْ اُمَّتِكَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ اَمَانَاتُ النَّاسِ لَایَقْدِرُ عَلٰی اَدَائِهَا وَهُوَیَزِیْدُ اَنْ یَحْمِلَ عَلَیْهَا۔

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا وہ شخص ہے جس کے ذمہ لوگوں کے بہت سے حقوق اور امانتیں ہیں جس کی ادائیگی پر وہ قادر نہیں ہے، اس کے باوجود وہ اور بوجھ اپنے اوپر بڑھا رہا ہے۔ (ترغیب ترہیب رقم ۵۵۳۴ و مجمع الزوائد رقم ۲۳۵)

حقوق العباد ضائع کر کے حج کو جانا گناہ ہے

محض سفر مکہ سے خدا نہیں ملتا، مثلاً اگر کوئی حج نفل کر کے بیوی کا حق ضائع کرے، تو خدا تعالیٰ کب راضی ہو سکتے ہیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ بعض صورتوں میں حج بھی ناجائز ہے،

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کے سامنے کعبہ کے حالات بیان کرنا، جس سے وہ مغلوب الشوق ہو کر سفر میں چلا جائے جائز نہیں۔ دیکھو! ظاہر نظر میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، لیکن واقع میں بالکل صحیح فرمایا، کیوں کہ اس سفر کے حالات سن کر اس کو سفر کا شوق پیدا ہوگا اور بوجہ عدم استطاعت (شرعی قدرت نہ ہونے کی وجہ سے) سفر معصیت ہوگا، تو اس کا جو سبب ہے وہ بھی معصیت ہوگا۔ (طریق القرب، ص:7، معارف اشرفیہ ص:142)

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی بدولت فرمانبردار'' اولاد نصیب ہوگی

عن ابن عمر رضي اللّٰہ عنھما قال : قال رسول اللّٰہِ ﷺ : بَرُّوا آبائَکم تبرُّکم أَبنَاؤُکم۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، تمہاری اولاد تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرے گی۔

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد میں اس انتہائی نازک اور اہم ترین بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ اگر کوئی انسان یہ چاہتا ہے کہ اس کی اپنی اولاد فرمانبردار اور نیک بخت ہو تو اس کیلئے یہ بات ضروری ہے کہ وہ خود بھی اپنے والدین کا خدمت گذار اور فرمانبردار بن کر رہے، کیونکہ قانونِ قدرت یہی ہے جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور!۔ (الترغیب والترہیب (بحوالۂ حاکم فی المستدرک) الترہیب أن یعتذر الی المرء أخوہ فلایقبل عذرہ نیز: الطبرانی فی الأوسط۔ البتہ بعض اہلِ علم نے اسے ضعیف قرار دیا ہے)

والدین کی نافرمانی کی سزا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ملتی ہے

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ الذُّنُوبِ يُؤَخِّرُ اللهُ مِنهَا مَا شَاءَ إِلَىٰ يَومِ القِيَامَةِ إِلَّا عُقُوقَ الوَالِدَينِ، فَإِنَّهُ يُعَجِّلُهُ لِصَاحِبِهِ فِي الحَيَاةِ قَبلَ المَمَاتِ۔ (بخاری فی الأدب المفرد ۵۹۱ باب البغی۔)

ترجمہ: تمام گناہوں میں سے اللہ جس گناہ کی سزا کو چاہے گا قیامت تک مؤخر کردے گا، سوائے والدین کی نافرمانی کے، کہ ایسے شخص کو اللہ اس کی موت سے قبل دنیا میں بھی سزا دے گا۔

عدل وانصاف فقط حشر تک موقوف نہیں زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے تومت مانؔ اوران کے ساتھ زندگی بسر کر خوبی کے ساتھ یعنی والدین اگر کافرومشرک ہوں اوراولاد کو بھی کفروشرک پر مجبور کرتے ہوںؔ ایسی صورتِ حال میں ان کا یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا جائے اوراس معاملے میں ان کی اطاعت نہ کی جائے۔مگراس کے باوجود ان کے ساتھ حسنِ سلوکؔ اطاعت وفرمانبرداریؔ ان کی دلجوئیؔ نیز ان کی خدمت میں کوئی کوتاہی سرزد ہونے پائے۔

کافرومشرک والدین کے ساتھ بھی حسنِ سلوک ضروری ہے

قرآن کریم میں ارشاد ہے: وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشرِكَ بِي مَا لَيسَ لَكَ بِهِ عِلمٌ فَلَا تُطِعهُمَا وَصَاحِبهُمَا فِي الدُّنيَا مَعرُوفاً۔ (لقمان ۱۵)

ترجمہ: اوراگر وہ تجھے اس بات پر مجبور کریں کہ تو شریک ٹھہرائے میرے ساتھ کسی کو بغیر کسی دلیل کےؔ توان کا کہنا تومت مانؔ اوران کے ساتھ زندگی بسر کر خوبی کے ساتھ یعنی والدین اگر کافرومشرک ہوں اوراولاد کو بھی کفروشرک پر مجبور کرتے ہوںؔ ایسی صورتِ حال میں ان کا یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا جائے اوراس معاملے میں ان کی اطاعت نہ کی جائے۔مگراس کے باوجود ان کے ساتھ حسنِ سلوکؔ اطاعت وفرمانبرداریؔ ان کی دلجوئیؔ نیز ان کی خدمت میں کوئی کوتاہی سرزد ہونے پائے۔

عورتوں کے حقوق اور ماں باپ کے حقوق

عورتوں کا بے پردہ باہر نکلنا، مووی بنوانا، گانے سننا، ٹیلی ویژن کے گندے پروگرام دیکھنا غرض جتنی بھی نافرمانیاں ہیں سب سے بچیں، شوہر کو ستانا بھی اس میں شامل ہے، اور شوہروں سے بھی کہتا ہوں کہ اپنی بیویوں کو انتہائی پیار ومحبت سے رکھو اور ان کے ٹیڑھے پن کو برداشت کرو کیوں کہ وہ ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہیں، اگر بیوی کبھی کچھ بول دے تو اس کو برداشت کرلو۔ لیکن بیویوں پر بھی یہ حق واجب ہے کہ وہ اپنے شوہروں کا احترام کریں اور ان کی خدمت سے اپنی جنت بنائیں، ان کو بکرا، بھیڑ اور دنبہ بنا کر نہ رکھیں۔

ایک عورت نے کہا کہ مجھے ایسا تعویذ دے دو کہ میں اپنے شوہر کو دبا کر رکھوں، میرا شوہر بالکل دنبہ وبکرا بنا رہے، ہم جو کہیں وہ ہاں ہاں کرتا رہے۔ ایسے تعویذ دینے والے بھی مجرم ہیں اور لینے والے بھی مجرم ہیں، لیکن جن کے شوہر بہت ہی ظلم کرتے ہوں ان خواتین کو چاہیے کہ علماء اور مشائخ سے رجوع کریں۔ بہرحال عورتوں کو چاہیے کہ اپنے شوہروں کی فرماں برداری کریں اور شوہروں کا دل خوش کر کے جنت بنائیں اور شوہر بھی اپنی بیوی کے ناز ونخرے برداشت کر کے ان کو آرام وپیار سے رکھے۔ اولاد بھی اپنے ماں باپ کا ادب کرے، قرآنِ پاک میں اعلان ہے۔ وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ۔

ماں باپ سے اپنے کندھوں کو پست کر کے بات کرو، کندھوں میں بھی تناؤ نہ آئے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ لَيِّنَ الۡمَنَاكِبِ۔

اللہ کو نرم کندھے پسند ہیں۔ اللہ اکڑفوں والے اکڑے ہوئے کندھے پسند نہیں کرتا۔

اگر ماں باپ ایک چیز کوئی دفعہ پوچھیں تو ہر دفعہ جواب دو۔ حکیم الامت تھانوی

رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک ہندو کے لڑکے نے اپنے بابا سے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے؟ اس نے کہا کوّا، تھوڑی دیر بعد پھر پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے؟ اس نے کہا کوّا۔ پھر اس نے اپنے منشی کو بلایا کہ نوٹ کرتے رہو، لڑکے نے سو دفعہ پوچھا کہ کاکا یہ کیا چیز ہے؟ اس نے سو دفعہ جواب دیا اور ناراض بھی نہیں ہوا۔ جب یہ لڑکا بڑا ہوا تو ایک دن اس ہندو نے اپنے لڑکے سے پوچھا کہ بیٹا یہ کیا چیز ہے؟ اس نے کہا کہ کوّا۔ اس نے تین دفعہ پوچھا تو لڑکے نے جواب دیا لیکن چوتھی دفعہ ڈانٹ کر کہا کہ کیا میں آپ کو یہی بتاتا رہوں؟ مجھے بزنس بھی کرنا ہے، بہت کام ہیں تو اس نے منشی سے کہا کہ میرا کھاتہ لاؤ پھر اپنے لڑکے سے کہا کہ دیکھ ظالم جب تو چھوٹا سا تھا تو تُو نے مجھ سے سو دفعہ پوچھا اور میں نے سو دفعہ تیرے ناز اُٹھائے، اب میں بڑھا ہو گیا ہوں تو تو بھی کاکا کے ناز اٹھا۔ باپ تو چھوٹے بچوں کی انگلی پکڑتا ہے لیکن جب باپ بڑھا ہو جائے تو تم بھی اس کی انگلی پکڑو، جب ماں باپ بلائیں تو فوراً ان کے پاس جاؤ، ان کے بلانے پر نفل نماز تک توڑنے کا حکم ہے، اگر ان کو پتا نہ ہو کہ یہ نفل پڑھ رہا ہے اور وہ کسی کام سے بلائیں تو فوراً نماز توڑ کر ان کے پاس جاؤ لیکن اگر ان کو علم ہو کہ یہ نماز پڑھ رہا ہے تب نماز توڑنا واجب نہیں۔ بہرحال ماں باپ کے بڑے درجے ہیں۔

ایسے ہی پڑوسیوں کا بھی خیال رکھو، یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جو بڑے بوڑھے کا ادب کرے گا اس کی زندگی بڑھا دی جائے گی لہٰذا جو محلہ کا بڑا بوڑھا ہو اس کا اکرام کرو، اس اکرام کی برکت سے اس کی عمر بڑھا دی جائے گی اور اس کو بھی اکرام کرنے والے ملیں گے۔ حدیث میں تو اتنا ہی کہ جنہوں نے اپنے بڑوں کا اکرام کیا ہے اللہ ان کے چھوٹوں سے ان کو اکرام دے گا اور جنہوں نے اپنے بڑوں کے ساتھ بدتمیزی کی ان کے چھوٹوں

نے ان سے بدتمیزی کی۔اس لیے محدثِ عظیم ملّاعلی قاری فرماتے ہیں کہ جب اپنے بڑوں کا اکرام کرنے والوں کواللہ ایسے جوان دے گا جوان کا اکرام کریں گےتواس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ان کی عمر بڑھائی جائے گی، کیوں کہ جب یہ بوڑھے ہوں گےتب ہی تو ان کے بچے بڑے ہوکران کا اکرام کریں گے۔تو ان کواکرام کی دولت بھی ملے گی اور درازیٔ عمر بھی ملے گی۔ یہ تَفَقُّہ ہے۔(لذت رشک کائنات،از:حکیم اختر رحمہ اللہ)

شیخ کی حکم عدولی کرنے والے فیض یافتہ نہیں ہوتے

بس اسی کا مراقبہ کروکہ اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض نہ ہوں، خدا سے اسی بات کا غم مانگ لوکہ اے خدا! ہمیں ایسا غم دے دے کہ ہم تجھ کو ناخوش کرکے حرام خوشیوں سے،لعنتی خوشیوں سے اپنے قلب میں ایک اعشاریہ خوشی نہ آنے دیں،ہمیں ایسا ایمان وحوصلہ عطافرمادے۔ یہ شاہ بازی ہے،مگرشاہ بازی کس سے آتی ہے؟ بازِشاہی سے آتی ہے،کرگسوں یعنی گِدھ سےنہیں آتی، چاہے وہ جامع الملفوظات ہی کیوں نہ ہو۔اس کو یادرکھوکہ محض ملفوظات نوٹ کرنے سےنورنہیں ملے گا، دین کے خادموں کوہوشیارہوجانا چاہیے کہ جب بازِشاہی سے شاہ بازی سیکھ لوگےتب تمہاری تحریروں،تقریروں اورشیخ کے ملفوظات نقل کرنے میں اللہ تعالیٰ برکت عطاکرے گا۔

مولانارومی صدیقِ اکبررضی اللہ عنہ کی اولاد،شاہ خوارزم کا نواسہ آج سے آٹھ سو برس پہلے قونیہ شہرمیں اعلان کرتا ہے کہ اے دنیاوالو! مجھے اپنے پیرومرشد شمس الدین تبریزی سے کیادولت ملی ہے؟ ؎

بازِ سلطانم گشم نیک و پیم

فارغ از مردارم و کرگس نیم

مرشد کے فیض کی دولت اس کے ساتھ کھانا کھانا نہیں ہے، سفر وحضر میں تفریح کرنا نہیں ہے، مرشد کا سب سے بڑا فیض یہ ہے کہ مرید اپنے اللہ کا بازِ شاہی بن جائے، اس کی بُری عادتیں نیک عادتوں سے تبدیل ہوجائیں اور وہ مرنے والوں پر مرنا چھوڑ دے کیوں کہ یہ کرگسوں یعنی گِدھوں کا کام ہے، اصلی مرید مرنے والی لاشوں پر اپنی شے یعنی زندگی کولاشئ نہیں کرتا، لاش پر اپنے کولاش نہیں کرتا بلکہ اپنے شیخ سے اپنے مولیٰ پر مرنا سیکھ لیتا ہے۔ اگر یہ سیکھ لیا توتم اصلی مرید ہو، ورنہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو۔ تو مولانا رومی فرماتے ہیں کہ میں مردہ کھانے سے فارغ ہو چکا ہوں، اب جلال الدین کرگس نہیں ہے، گِدھ نہیں ہے جو مردہ کو دیکھے۔ اور بازِ شاہی بننے کے بعد انہوں نے ساڑھے اٹھائیس ہزار اشعار کہے، ورنہ کرگس کیا شعر کہے گا۔ (لذت رشک کائنات، از: حکیم اختر ؒ)

آخرت میں حقوق العباد کی پامالی کا انجام

ظلم کا تعلق چونکہ حقوق العباد سے ہے لہٰذا حقوق العباد کی پامالی بہت ہی خطرناک ہے، رہے حقوق اللہ تو یہ چونکہ اکرم الاکرمین، ارحم الراحمین پروردگار سے متعلق ہیں ان کے گلوخلاصی کی امید رکھنا شان ایمان شعار عبدیت ہے۔

آج دنیا میں جب کوئی کسی کے حقوق معاف کرنے کے لئے تیار نہیں بلکہ ایک دوسرے کے حقوق ہڑپنے کی فکر ودھن ہر وقت سوار رہتی ہے تو قیامت کے روز جہاں ایک ایک نیکی کی اہمیت ہوگی اور فیصلہ کن ہوگی: ’’فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُہٗ ۔ فَھُوَ فِیۡ عِیۡشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ‘‘ ۔ اور ایک ایک گناہ بھی خطرناک ومہلک اور فیصلہ کن ہوگا:۔

وَاَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِیۡنُہٗ ۔ فَاُمُّہٗ ھَاوِیَۃٌ ۔ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَاھِیَہۡ ۔ نَارٌ حَامِیَۃٌ‘ ۔

وہاں کون کسے معاف کرے گا، وہاں تو خودغرضی کا ایسا جنون سوار ہوگا کہ ہر شخص اپنی نجات کے لئے اپنے اہل وعیال، کنبہ وقبیلہ یہاں تک کہ پوری کائنات کا جہنم میں جھنکوادینے پر دل سے آمادہ ہوگا۔

یَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ یَفْتَدِیْ مِنْ عَذَابِ یَوْمِئِذٍ بِبَنِیْهِ۔ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِیْهِ۔ وَفَصِیْلَتِهِ الَّتِیْ تُؤْوِیْهِ۔ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعاً ثُمَّ یُنْجِیْهِ۔(المعارج:۱۱-۱۴)

آخرت میں ظالم کی حیرانی وبے بسی ایسی ہوگی کہ کوئی زبانی ہمدرد بھی نہ ہوگا

دنیا میں بیچارگی مظلوم کے ساتھ لگتی ہے، مگر آخرت میں ظالم کے ساتھ جڑے گی، دنیا میں مظلوم کی ہمنوائی وہمدردی جتانے والے بہیترے مل جاتے ہیں، مگر وہاں ظالم صاحب ایسے ''بیچارہ'' ہوں گے کہ کوئی زبانی ہمدردی جتانے والا بھی نہ ملے گا شہ زور لوگ یہاں سینہ تان کے اکڑ کے چلتے ہیں، رفتار وگفتار سے اپنی برتری ظاہر کرتے ہیں، مگر آخرت میں ان کا کیا حال ہوگا، وہ بھی گوش دل سے سن لیجئے، میں اپنی نہیں قرآن کی بات سنارہا ہوں سنئے!

''وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلاً عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ''۔

یہ نہ سمجھو کہ اللہ ظالموں کے عمل سے غافل ہے ارے! پھر ان کی سرزنش کیوں نہیں فرماتا، انکے ظلم کی سزا کیوں نہیں دیتا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ جرم قابل مواخذہ نہ ہو؟ نہیں نہیں، بلاشبہ قابل مواخذہ جرم ہے۔

اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ۔

مگر اللہ تعالیٰ نے اس کا بدلہ روز قیامت کیلئے اٹھا رکھا ہے، لہٰذا اس مہلت کو غفلت اور عدم انتقام پر محمول نہ کریں سزا تو ملنی ہی ملنی ہے، ظالم بیچارے اس دن کیسے حواس باختہ، عقل وخرد بستہ ہوں گے، ذرا وہ منظر بھی ملاحظہ ہو:

مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ۔ (ابراہیم:۴۲-۴۳)

یہ لوگ احکم الحاکمین کے دربار میں پیشی کے لئے اس حال میں جا رہے ہوں گے کہ ان کی گردنیں اوپر کو اٹھی ہوں گی، ٹکٹکی بندھی ہوگی، حواس باختگی کے عالم میں کشاں کشاں چلے جا رہے ہوں گے۔

ظالم کو آج نہیں کل پتہ چلے گا

''سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ''۔ ''اور کل آنے میں کیا دیر؟ بہت سی ''کل'' گذر چکیں، یہ ''کل'' بھی آجائے گی۔

ایک حدیث قدسی میں ہے کہ ''اے میرے بندو! میں نے اپنے لئے ظلم کو حرام ٹھہرایا ہے اور تمہارے آپسی ظلم کو بھی حرام قرار دیا ہے، لہٰذا ایک دوسرے پر ظلم سے باز رہو''۔ (مسلم وترمذی عن ابی ذر رضی اللہ عنہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے طبرانی نے یہ مرفوع روایت نقل کی ہے کہ: ظلم وستم نہ کرو ورنہ تمہاری دعائیں قبول نہ ہوں گی، بارش طلب کروگے بارش نہ ملے گی، خدائی نصرت ومدد کے طالب ہوگے تمہاری مدد نہ فرمائی جائے گی۔ (کذا فی الترغیب للمنذری)

صحیحین نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ذکر کی ہے کہ: اللہ رب العزت ظالم کو مہلت دیتے رہتے ہیں، مگر جب پکڑ فرما لیتے ہیں تو پھر چھوڑتے نہیں، یہ

مضمون بیان کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی:

''وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ''۔ (ہود:۱۰۲)

جب پروردگار عالم ظالموں کی پکڑ فرماتے ہیں تو یونہی فرماتے ہیں، یقین جانو کہ اس کی پکڑ بڑی دردناک ہے''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ظالم لوگ آخرت میں میری امت کے مفلس ترین لوگ ہوں گے، ان کی نیکیاں تو دوسروں کو دے ہی دی جائیں گے، اہل حقوق کے گناہ بھی ان پر لاد دیئے جائیں گے، ہائے! ان بیچاروں کو ناکردہ گناہوں کی بھی سزا جھیلنی پڑے گی۔ (مسلم وترمذی عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

حقوق اللہ اور حقوق العباد میں توازن

اسلام اپنے متبعین پر دو طرح کے حقوق عائد کرتا ہے، ایک اللہ کے حقوق اور دوسرے بندوں کے حقوق۔ ان دونوں میں توازن برقرار رکھتے ہوئے بہتر طریقے سے انہیں انجام دینا ضروری ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ذکر واذکار، سنن ونوافل، قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں تو اہل وعیال کی پرورش، رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک، مسکینوں کو کھانا کھلانا، یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرنا، بے کسوں کو سہارا دینا، تنگ دستوں کی مدد کرنا اور معاشرے کے کمزور افراد کی خبر گیری کرنا وغیرہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ (از: حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی)

بغیر جنگ میں شریک ہوئے حضرت عثمانی غنی رضی اللہ عنہ کو مال غنیمت میں حصہ کیوں ملا

جنگ بدر کے موقع پر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان کے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو (جو جنگ میں شرکت کے خواہش مند تھے) جنگ میں شرکت سے محض اس لئے روک دیا کہ وہ اپنی بیوی کی عیادت اور تیمارداری کریں، ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ بشارت بھی سنائی: إِنَّ لَكَ أَجْرُ رَجُلٍ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا وَسَهْمَهُ۔ (بخاری: مشکوۃ المصابیح: ۶۰۸۱)

تمہیں بدر میں شرکت کا بھی ثواب ملے گا اور تم مال غنیمت میں حصہ بھی پاؤ گے"۔

جنگ کے موقعوں پر اعرابی آتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ میں شرکت سے رخصت طلب کرتے، آپ ان کے ظاہری عذر کو دیکھ کر انہیں رخصت دے دیتے۔

اللہ رب العزت تجھے کسی زانیہ کے ہاتھ رسوا کرے

اہل وعیال کی طرح والدین کی خدمت، ان کی اطاعت وفرمانبرداری ان کے ساتھ حسن سلوک، اور ان کے حقوق کی ادائیگی بھی بہت ہی اہم ہے اس میں ذراسی غفلت بڑے نقصان کا باعث ہوسکتی ہے۔ صحیح مسلم میں بنی اسرائیل کے ایک بڑے ہی عبادت گزار شخص کا واقعہ مذکور ہے، جو ماں کی خدمت میں کوتاہی کی وجہ سے ماں کی بددعا کا شکار ہوئے۔ ان عابد کا نام جریج تھا، ایک مرتبہ وہ اپنی عبادت گاہ میں مصروف عبادت تھے۔ کہ ماں ملاقات کے لئے آئی، جریج کو آواز دی، وہ نماز میں مصروف تھے، اس لئے دروازہ نہیں کھول سکے، جواب نہ پاکر ماں یہ بددعا کرتے ہوئے لوٹ گئی کہ اللہ تجھے کسی زانیہ کے ہاتھ رسوا کرائے"۔ ایک دن جریج اپنی عبادت گاہ میں تھے کہ ایک بدکار عورت آئی اور انہیں بدکاری کی دعوت دینے لگی۔

جریج نے سختی سے انکار کردیا، تو اس نے ایک چرواہے سے اپنی ہوس کی آگ

بجھالی، جس کے نتیجے میں وہ حاملہ ہوگئی، جب اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا تو لوگوں نے پوچھا کہ یہ لڑکا کس کا ہے؟ (یعنی کس نے تیرے ساتھ بدکاری کی) تو اس نے جریج کا نام لیا۔ لوگوں نے جیسے ہی جریج کا نام سنا تو آپے سے باہر ہوگئے، ان کے گرجا گھر کو ڈھادیا، اور انہیں قید کر دیا۔ جب جریج کو حقیقت واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے وضو کیا اور اس دودھ پیتے بچے کو طلب کیا اور اس سے پوچھا کہ بتا تو کس کی کارستانی کا نتیجہ ہے؟ (قدرت نے اس بچے کو قوت گویائی دی) اس بچے نے کہا: میں فلاں چراوہے کے نطفے سے ہوں۔ بے زبان بچے کی زبان سے یہ سننا تھا کہ لوگوں کو یقین ہوگیا کہ جریج واقعی بے گناہ ہیں انہیں اپنی غلطی پر ندامت ہوئی اور ان کے دلوں میں جریج کی عقیدت اور بڑھ گئی، انہوں نے جریج سے درخواست کی کہ ہم آپ کے لئے سونے کا گرجا بنا دیتے ہیں، جریج نے کہا کہ نہیں میرے لئے مٹی کا گرجا ہی کافی ہے''۔

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ والدین کے حقوق سے غفلت کا انجام کس قدر سنگین ہوتا ہے''۔

جنت کا آسان راستہ

(۱) اولاد کا فریضہ ہے کہ اپنے ماں باپ کی عزت کرے اور ان کے ساتھ اٹھنے، بیٹھنے، چلنے، پھرنے اور بات چیت کرنے میں ان کا ادب ملحوظ رکھے۔

(۲) اپنے ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ! میری ایک بیوی ہے

جس سے مجھے بہت محبت ہے۔ میرے والد (فاروق اعظم) اسے میرے لئے پسند نہیں کرتے اور مجبور کرتے ہیں کہ طلاق دیدوں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا اے عبداللہ تم اسے طلاق دیدو۔ مطلب یہ ہے کہ والدین کی فرمانبرداری کرو تا کہ ان کی دعاؤں سے دنیا میں پھولے پھلو اور آخرت میں جنت کے مستحق بنو۔

(۳) ماں باپ کی نافرمانی سے بچے۔ حدیث شریف میں والدین کی نافرمانی کو شرک وکفر کے ساتھ ذکر فرما کر یہ بتایا ہے کہ ان کی نافرمانی کرنا بدترین گناہ ہے۔ رات دن کا مشاہدہ ہے کہ جو لوگ اپنے والدین کی نافرمانی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں بھی سزا دیتا ہے اور ان پر ذلت وخواری مسلط کر دیتا ہے، نافرمان اولاد کی اس سے زیادہ اور کیا بدنصیبی ہوگی کہ مرنے کے بعد جنت اور جنت کی نعمتوں سے محروم رہے گی۔

(۴) اپنے ماں باپ کی خدمت کرے اور ان کی خدمت گذاری کو اپنے حق میں سعادت سمجھے۔ حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا کہ والدین کی خوشنودی اور رضا مندی سے خدا خوش ہوتا ہے اور ناراضگی سے خدا ناراض ہوتا ہے۔ ماں باپ کی خوشنودی جنت کے حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

(۵) اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے اور ان کے احسانات کو فراموش نہ کرے، ماں باپ کو اپنے لئے خدا کی نعمت سمجھے، ان کی قدر کرے اور ان سے محبت کا برتاؤ کرے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ماں باپ کو محبت بھری نظروں سے دیکھنا حج مبرور کے برابر ثواب رکھتا ہے۔

(۶) کوئی کام ایسا نہ کرے جس سے ان کو تکلیف پہنچے، ان کی زبان سے کوئی ایسی بددعا نکلے کہ وہ اولاد کی بربادی کا باعث بنے۔

(۷) ان کے انتقال کے بعد ان کے لئے دعا واستغفار کرے اور ان کے دوستوں کے ساتھ نیک سلوک کرے۔ (خطبات رمضان جلد اول)

خدام دین چندہ کے پیسوں کا استعمال صحیح اور شرعی طریقہ پر کریں

جو حضرات کسی مسجد یا کسی دوسرے وقف کے متولی ہیں یا کسی مدرسہ کے مہتمم ہیں اُن کو اپنے اعمال کا جائزہ لینا سخت ضروری ہے، جب وقف کا مال قبضہ میں ہوتا ہے اور عام طور سے چندہ کی رقوم آتی رہتی ہیں اُن سب کو وقف کرنے والے کی شروط کے مطابق اور چندہ دینے والوں کی متعین کردہ مد کے مطابق ہی خرچ کرنا لازم ہے، بہت سے لوگ دانستہ یا غیر دانستہ طور پر اس بارے میں خوفِ آخرت سے بے نیاز ہو کر ایسی ایسی حرکتیں کرگزرتے ہیں جو اُن کے لیے آخرت کا وبال اور عذاب بنتی چلی جاتی ہے۔

مسجد و مدرسہ کے لیے سفیر بن کر چندہ کرنے نکلتے ہیں، بہت سے لوگ تو پیسہ دے دیتے ہیں رسید مانگتے ہی نہیں اور بعض حضرات رسید لینے کا اہتمام تو کرتے ہیں لیکن سفیر صاحب کی دیانت پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ نہیں دیکھتے کہ انہوں نے رسید کے اس حصہ پر کیا لکھا ہے جو حساب لینے والوں کے سامنے پیش کرنا ہے، اس طرح سے جو چندہ ہوتا ہے اُس میں سے غبن کرنا بہت آسان ہوتا ہے آخرت کی جوابدہی کا یقین نہ ہو تو نفس اور شیطان خیانت کرواہی دیتے ہیں۔

عیدگاہ یا کسی بڑے اجتماع میں مدرسہ یا مسجد کے لیے چندہ کا اعلان کر دیا گیا اس موقع پر رسید نہیں دی جاتی پورا چندہ جمع ہو کر مہتمم یا متولی کے پاس پہنچ جاتا ہے اگر آخرت میں حساب دینے کا تصور نہ ہو تو اس میں سے جتنا چاہیں غبن کر سکتے ہیں اس کی بعض تلخ داستانیں سنی گئی ہیں۔

بہت سی جگہ اس کی بھی خلاف ورزی کی جاتی ہے کہ جن حضرات کو خوفِ خدا نہیں وقف کے بہت سے اموال اپنی اولاد یا دیگر افرادِ خاندان پر یا اپنی ذات پر بلا استحقاقِ شرعی خرچ کر جاتے ہیں۔

اس قسم کی خیانت اور مساجد و مدارس کے اموال کا غبن کسی شخصِ واحد کا مال مارنے سے بھی زیادہ شدید ہے کیونکہ شخصِ واحد سے معافی مانگ کر یا ادا کر دینا آسان ہے لیکن عمومی چندہ یا عام مستحقین کی خیانت کرنے کے بعد تلافی کرنا دُشوار ترین گھاٹی ہے، اگر اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق دے دے تو اہلِ حقوق نامعلوم ہونے کی وجہ سے ان تک حقوق پہنچانے کا کوئی راستہ نہیں ہوسکتا۔

محض یاددہانی اور تذکیر کے طور پر یہ باتیں لکھ دی گئی ہیں جو خیرخواہی پر مبنی ہیں اور اجمالی طور پر اِشارہ کیا گیا، جو حضرات مبتلا ہوں اپنا جائزہ لیں اور اپنا انجام سوچ کر اس مال میں تصرف کریں جو اُن کا ذاتی نہیں ہے دوسرے پر خرچ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو امین بنایا ہے۔

یتیموں کا مال مت کھاؤ

سب کو معلوم ہے کہ یتیم کا مال کھانا اور اصولِ شریعت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی مِلک میں لے لینا یا اپنے اُوپر یا اپنی اولاد کے اُوپر خرچ کر دینا سخت گناہ ہے اور حرام ہے۔

قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ نَارًا وَّسَیَصۡلَوۡنَ سَعِیۡرًا ۔(سُورۃ النساء:۱۰)

بیشک جو لوگ ناحق یتیموں کے مال کھاتے ہیں بس یہی بات ہے کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب جلتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔

جو لوگ یتیم خانوں کے نام سے ادارے لیے بیٹھے ہیں اور وہ یا اُن کے سفراء چندہ کرتے ہیں وہ لوگ اِس آیت کے مضمون پر غور کرلیں اور اپنا حساب اِسی دنیا میں کر لیں، شرعًا جتنا حق الخدمت لے سکتے ہیں اُس سے زیادہ تو نہیں لے رہے ہیں؟ خوب غور فرمالیں اگر کوئی غبن کیا ہے تو اس کی تلافی یومِ آخرت سے پہلے کرلیں۔

اور بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یتیم کا مال کھانے کا گناہ انہی لوگوں کو ہوسکتا ہے جو یتیم خانے چلا رہے ہیں لیکن درحقیقت گھر گھر یتیموں کا مال کھایا جاتا ہے، جب کسی شخص کی وفات ہوجاتی ہے اس کی نابالغ اولاد لڑکے ہوں یا لڑکیاں سب یتیم ہوتے ہیں، شرعی اصول کے مطابق میراث تقسیم نہیں کی جاتی یا چچا یا بڑے بھائی کے قبضہ میں مرنے والی کی رقوم اور جائیداد جو کچھ ہوتی ہیں اُن میں سے تھوڑا بہت بغیر حساب ان بچوں پر خرچ کرتے رہتے ہیں اور بعض لوگ تو ان کے مستحقین پر کچھ بھی خرچ نہیں کرتے اور پوری جائیداد پر قبضہ کرلیتے ہیں اور انے یا اپنی اولاد کے نام کردیتے ہیں، جب یہ یتیم بچے بالغ ہوتے ہیں تو باپ کی میراث میں سے ان کو کچھ نہیں ملتا، یہ سب یتیم کا مال کھانے میں داخل ہیں، اگر کسی نے بہت ہمت کی اور مرنے والے کی جائیداد اور مال تقسیم کرہی دیا تو اس میں مرنے والے کی بیوی اور بچوں کو کچھ بھی نہیں دیتے، یہ سب بیوہ اور یتیم کا مال کھانے میں شامل ہے۔

وہ عورت جس کا شوہر فوت ہوجائے اس کو بھی حقوق دیں ورنہ گناہ ہوگا

بہت سے دینداری کے مدعی مرنے والے بھائی کی جائیداد سے اُس کی بیوی کو حصہ

نہیں دیتے بلکہ اُسے مجبور کرتے ہیں کہ تو ہمارے ساتھ نکاح کر لے وہ بیچاری مجبوراً انکاح کر لیتی ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے شریعت کی پاسداری کر لی حالانکہ نکاح کر لینے سے اس کے شوہر کی میراث سے جو شرعاً حصہ اس کو ملا ہے اُس کا دبا لینا پھر بھی حلال نہیں ہو جاتا، یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر عورت کو جائیداد میں حصہ دے دیا گیا تو ہماری زمین کا حصہ دوسرے خاندان میں چلا جائے گا اگر چلا ہی گیا تو کیا ہوا؟ بیوہ عورت کا مال مارنے اور آخرت کے عذاب سے تو بچ جائیں گے۔

ہمارے علاقوں میں رواج ہے کہ میت کے ترکہ میں سے اس کی لڑکیوں کو حصہ نہیں دیتے بلکہ بھائی ہی دبا بیٹھتے ہیں جو سراسر ظلم کرتے ہیں اور حرام کھاتے ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ اپنا حق مانگتی نہیں ہیں اور معاف کرانے سے معاف بھی کر دیتی ہیں واضح رہے کہ حق نہ مانگنا دلیل اس بات کی نہیں کہ انہوں نے اپنا حق چھوڑ دیا ہے اور جیسی جھوٹی معافی ہوتی ہے اُس کا کچھ اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ جانتی ہیں کہ ہم کو ملنا تو ہے ہی نہیں لہٰذا معاف ہی کر دیتی ہیں اور اپنا حق طلب کرنے سے خاموش رہتی ہیں، اگر ان کا حصہ بانٹ کر ان کے سامنے رکھ دیا جائے کہ لو یہ تمہارا حصہ ہے اور جائیداد کی آمدنی جتنی بھی ان کے حصہ کی ہو اُن کو دے دی جائے اور وہ اس کے باوجود معاف کر دیں تو معافی کا اعتبار ہوگا، مجبوری رسمی معافی کا اعتبار نہیں۔

بعض لوگ نفس کو یوں سمجھا لیتے ہیں کہ زندگی بھر ان کو ان کی سسرال سے بلائیں گے بچوں سمیت آئیں گی کھائیں گی پئیں گی اِس سے ان کا حق ادا ہو جائے گا یہ سب خود فریبی ہے۔ اوّل تو ان پر اتنا خرچ نہیں ہوتا جتنا میراث میں حصہ نکلتا ہے دوسرے صلہ رحمی کرنا ہے تو اپنے پیسہ سے کرو، پیسہ اُن کا اور احسان آپ کا کہ ہم نے بہن کو بلایا اور

خرچ کیا ہے، یہ کیا صلہ رُحمی ہوئی، تیسرے ان سے معاملہ کرو کیا اس سودے پر وہ راضی ہیں؟ یکطرفہ فیصلہ کیسے فرمالیا!

مہر صرف عورت کا حق ہے اسی کو دیا جائے

اسی طرح مہر کو بھی سمجھو کہ رسمی طور پر بیوی کے معاف کر دینے سے معاف نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے نفس کی خوشی سے معاف نہ کر دے، اگر اس نے یہ سمجھ کر زبانی طور پر معاف کر دیا کہ معاف کروں یا نہ کروں ملتا تو ہے ہی نہیں تو اس معافی کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے ۔فَاِنۡ طِبۡنَ لَكُمۡ عَنۡ شَيۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا فَكُلُوۡهُ هَنِيۡٓـئًا مَّرِيۡٓـئًا ۔ اگر تمہاری بیویاں نفس کی خوشی سے کچھ مہر چھوڑ دیں تو تم اس کو مرغوب اور خوشگوار سمجھتے ہوئے کھالو۔

اس بارے میں بھی یہی صورت کریں کہ اُن کا مہر اُن کے ہاتھ میں دے دیں پھر وہ اپنی خوشی سے بخش دیں اُس کو بے تکلف قبول کرلیں۔

(٦) لڑکیوں کی شادی کر دی جاتی ہے اور ان کا مہر والد یا دوسرا کوئی ولی وصول کر لیتا ہے وصول کر لینا اور اس کی ملکیت جانتے ہوئے محفوظ رکھنا تو ٹھیک ہے لیکن لڑکی سے پوچھے بغیر اس کے مال کو اپنے تصرف میں لانا اور اپنا ہی سمجھ لینا پھر اس کو کبھی بھی نہ دینا یا اُوپر کے دل سے جھوٹی معافی کرالینا یہ حلال نہیں ہے۔

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ صاحب شادی میں جو ہم نے خرچ کیا ہے اس کے عوض یہ رقم ہم نے وصول کر لی یا جہیز میں لگا دی حالانکہ والد یا کوئی ولی رواجی اخراجات کرتا ہے عموماً یہ سب کچھ نام کے لیے ہوتا ہے اور بہت سے کام شریعت کے خلاف بھی ہوتے

ہیں، گانا بجانا اور رنڈی کے ناچ رنگ ہوتے ہیں، جہیز بھی دکھاوے کے لیے دیا جاتا ہے اور وہ چیزیں جہیز میں دی جاتی ہیں جو زندگی بھر کبھی کام بھی نہ آئیں، سب جانتے ہیں کہ خلافِ شرع اور دکھاوے کے لیے تو اپنا مال خرچ کرنا بھی حرام ہے پھر بے زبان لڑکی کا مال اس طرح خرچ کرنا کیسے حلال ہوسکتا ہے؟ جو کچھ خرچ کریں موافق شرع کے خرچ کریں اور وہ بھی اپنے مال سے نہ کہ لڑکی کے مہر سے، اس کے مال سے خرچ کرنا بلا اس کی اجازت کے ظلم ہے اس سے پوچھتے تک نہیں اور اس کا مال اُڑا دیتے ہیں۔

اگر کوئی صاحب یہ کہیں کہ وہ خاموش رہتی ہے یہی اجازت ہے تو یہ کہنا صحیح نہیں، رواجی خاموشی مالیات کے بارے میں معتبر نہیں ہے، اُس کی رقم اُس کو دے دو اُس پر کسی قسم کا جبر نہ ہو اور بدنامی اور رواج کا ڈر نہ ہو پھر وہ خوشی سے جو کچھ آپ کو دے دے اُس کو اپنا سمجھ سکتے ہیں۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ شرعاً شادی میں کوئی خرچہ نہیں ہے ایجاب وقبول سے نکاح ہوجاتا ہے اس کے بعد رخصت کردو، سواری کا خرچ شوہر دے گا جو اپنی بیوی کو لے جائے گا لڑکی یا اس کے ولی کے ذمہ کچھ بھی خرچہ نہیں آتا، رواجی بکھیڑوں اور نام ونمود کے قصوں نے خلافِ شرع کاموں میں لگا رکھا ہے۔ یوں کہنے والے بھی ملتے ہیں کہ ہم نے پیدائش سے لے کر آج تک خرچ کیا ہے وہ ہم نے وصول کرلیا، یہ بھی جاہلانہ جواب ہے کیونکہ شرعاً آپ پر اس کی پرورش واجب تھی اس لیے آپ نے اپنا واجب ادا کیا جس کی ادائیگی اپنے مال سے واجب تھی اُس کا عوض وصول کرنا خلافِ شرع ہے بلکہ خلافِ محبت ہے اور خلافِ شفقت بھی، گویا آپ جو کچھ اس کی پرورش پر خرچ کرتے آئے ہیں وہ ایک سودے بازی ہے اور ہے بھی بلا حساب جس کی لکھا پڑھی کچھ بھی نہیں، پندرہ بیس سال خرچ کر کے اس کے مال سے

وصول کرلیں گے، اُدھار خرچ کرکے وصول کرلینا یہ تو غیر بھی کردیتے ہیں آپ نے اپنی اولاد کے ساتھ کون سا سلوک کیا؟

بغیر بلائے کسی دعوت میں پہنچ کر کھالینا حلال نہیں ہے۔ اگر مروّت اور لحاظ کی وجہ سے کوئی منع نہ کرے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، اس خاموشی کو اجازت سمجھ لینا صریح غلطی ہے اور خود فریبی ہے اگر کوئی شخص چار آدمی بلائے اور پانچواں بھی ساتھ چلا جائے اور صاحبِ خانہ لحاظ میں کچھ نہ کہے تو زائد آدمی کا کھالینا حرام ہے۔

بعض لوگ مذاق میں کسی کی چیز لے کر چل دیتے ہیں اور پھر سچ مچ رکھ لیتے ہیں حالانکہ جس کی ملکیت ہوتی ہے وہ خوشی سے اس کو دینے پر راضی نہیں ہوتا لہٰذا اس طرح لینا حرام ہے اگرچہ صاحبِ خانہ لحاظ میں خاموش رہ جائے۔

عموماً رواج ہے کہ کسی کے مرجانے پر اُس کے مال سے فقراء اور مساکین کی دعوت کرتے ہیں اور اُس کے کپڑے وغیرہ خیرات کی نیت سے دے دیتے ہیں حالانکہ ترکہ تقسیم کیے بغیر ایسا کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اوّل تو سب وارث بالغ نہیں ہوتے اور جو بالغ ہوں اُن سب کا موجود ہونا ضروری نہیں ان میں بہت سے سفر میں یا ملازمتوں پر پردیس میں ہوتے ہیں مشترکہ مال میں سب کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا درست نہیں ہے اور رسمی طور سے رواجی اجازت کا اعتبار نہیں ہے۔

مال تقسیم کرکے ہر ایک وارث کا حصہ اُس کے حوالے کردو پھر وہ اپنی خوشی سے جو چاہے ایصالِ ثواب کے لیے شریعت کے مطابق بلا ریا کاری کے خرچ کردے۔ اور یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ نابالغ کی اجازت شرعاً معتبر نہیں ہے اگرچہ وہ اپنے نفس کی خوشی سے اجازت دے دے۔

بہت سے وارثین مرنے والے کے قرضے ادا نہیں کرتے خود ہی سب دبا کر بیٹھ جاتے ہیں یہ مرنے والے پر ظلم ہے کہ وہ بے چارہ قرضوں کی ادائیگی نہ ہونے کی وجہ سے آخرت میں پکڑا جائے گا اور اپنے اُوپر بھی ظلم ہے کہ غیر مال پر قابض ہو گئے۔

شریعت کا قانون یہ ہے کہ ترکہ سے اولاً کفن دفن کے اخراجات کیے جائیں پھر اُس کے قرضے ادا کیے جائیں پھر باقی مال میں سے ایک تہائی کے اندر اس کی وصیت نافذ کی جائے (اگر اس نے وصیت کی ہو) اور بقیہ دو تہائی مال وارثوں کو شریعت کی تقسیم کے مطابق دے دیا جائے، اگر قرض ترکہ سے زیادہ یا ترکہ کے برابر ہو تو کسی وارث کو کچھ بھی نہ ملے گا یہ شریعت کا اصول ہے۔

ہوتا یہ ہے کہ اگر قرضے ادا کر بھی دیے تو مرنے والے کی وصیت نافذ نہیں کرتے، مرنے والے کو اختیار ہے کہ قرضوں سے جو مال بچے اُس کے ایک تہائی میں وصیت کر سکتا ہے جب مرنے والا وصیت کر دے تو وارثوں پر اُس کی وصیت نافذ کرنا واجب ہے۔اس کی وصیت کے بعد جو مال بچے اس کو آپس میں تقسیم کریں البتہ ایک تہائی سے زائد میں وصیت نافذ کرنا واجب نہیں اور جو وصیت خلافِ شرع ہو اُس کا نافذ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ اگر کسی نے وصیت کی کہ دس ہزار روپے مسجد یا مدرسہ میں دے دیے جائیں تو ادائیگی قرض کے بعد جو بچے اگر اُس کے ایک تہائی میں اِس کی گنجائش ہو تو وصیت کے مطابق مسجد و مدرسہ میں بقدرِ وصیت کے مال دے دیں، اگر ایک تہائی میں دس ہزار کی گنجائش نہ ہو اور بالغ ورثا اپنی خوشی سے اپنے حصہ سے دینا گوارا نہ کریں تو جس قدر ایک تہائی میں ہو سکتا ہو اُسی قدر دے دیں خود دبا کر نہ بیٹھ جائیں۔

فائدہ: اگر مرنے والے پر قرض نہ ہو تو کفن دفن کے بعد جو مال بچے اُس کے ایک

تہائی میں وارثوں پر لازم ہے کہ مرحوم کی وصیت نافذ کردیں، لوگ دکھاوے کے لیے ایصالِ ثواب کے نام سے دیگیں تو کھڑکا دیتے ہیں لیکن وصیت نافذ نہیں کرتے اور قرضے ادا نہیں کرتے حالانکہ یہ چیزیں مرنے والے کا حق ہیں۔

فائدہ: اگر مرنے والے پر قرض نہ ہو تو کفن دفن کے بعد جو مال بچے اُس کے ایک تہائی میں وارثوں پر لازم ہے کہ مرحوم کی وصیت نافذ کردیں، لوگ دکھاوے کے لیے ایصالِ ثواب کے نام سے دیگیں تو کھڑکا دیتے ہیں لیکن وصیت نافذ نہیں کرتے اور قرضے ادا نہیں کرتے حالانکہ یہ چیزیں مرنے والے کا حق ہیں۔

بہت سے لوگوں پر حج فرض ہوجاتا ہے لیکن سستی کرتے رہتے ہیں اور اتنی تاخیر ہوجاتی ہے کہ مرض الموت دبالیتا ہے یا اتنا بڑھاپا آجاتا ہے کہ حج کے سفر کے قابل نہیں رہتے، ان میں بعض لوگ وصیت کردیتے ہیں کہ ہماری طرف سے ہمارے مال سے حج کرادیا جائے، ان کے فرض کی ادائیگی کے لیے ان کی وصیت پورا کرنا اور بعد ادائے قرضہ جات ترکہ کے ایک تہائی کے اندر اندر اُن کی طرف سے حج کرانا فرض ہے، وارثوں پر لازم ہے کہ اس کے گھر سے یا جہاں سے ایک تہائی میں گنجائش ہو تو حجِ بدل کے لیے آدمی بھیجیں۔

بعض وارثین پیسہ بچانے کے لیے مکہ معظّمہ یا مدینہ منورہ ہی سے حجِ بدل کرادیتے ہیں جس میں تھوڑے سے ریال خرچ ہوتے ہیں، ایسا کرنے سے مرنے والے کی وصیت پوری نہیں ہوتی، پیسہ بچا کر خود رکھ لینا حرام ہے اور ایسا کرنے سے حجِ بدل کے اصول کے مطابق حج نہیں ہوتا، چاہیے تو یہ کہ وصیت نہ کی ہو تب بھی اولاد ماں باپ کی طرف سے اُن کے ترکہ سے بلکہ اپنے مال سے حج کرادے اور ترکہ کے ایک تہائی سے حج نہ ہوسکتا ہو تو

بخوشی اپنے سے مال سے ملا دے لیکن وصیت ہوتے ہوئے بھی وصیت کے مطابق ان کے حج پر خرچ نہ کرنا بڑا ظلم ہے۔(از: عاشق الٰہی بلندشہری)

حقوق اللہ سے متعلّق دُیون کا حکم

اللہ تعالیٰ کے حقوق سے متعلّق قرضے وصیت کے حکم میں ہیں، یعنی اس کی ادائیگی تیسرے نمبر پر نفاذِ وصیت کے درجہ میں کی جائے گی۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر میت نے حقوق اللہ سے متعلّق کسی دَین کی ادائیگی کی وصیت کی ہو تو ثلثِ مال یعنی مال کے ایک تہائی حصے سے اداء کیا جائے گا۔ تہائی سے زائد مال کی وصیت ورثاء کی دلی اجازت اور اُن کی قلبی رضامندی پر موقوف ہوگی اور وصیت نہ کرنے کی صورت میں ورثاء ایسے قرضوں کی ادائیگی کے پابند نہ ہوں گے۔(الدرالمختار:6/760)

دوسری قسم: حقوق العباد سے متعلّق دُیون

وہ قرضے جن کا تعلّق بندوں سے ہے، یعنی بندوں میں سے اُن کا کوئی طلب کرنے والا ہو اُن کو حقوق العباد سے متعلّق قرضے کہا جاتا ہے۔

پھر حقوق العباد سے متعلّق دُیون کی دو قسمیں ہیں:

(1) حقوق العباد سے متعلّق حالتِ صحت کے دُیون۔

(2) حقوق العباد سے متعلّق مرض الوفات کے دُیون۔

پہلی قسم سے مراد یہ ہے کہ بندوں کے حقوق سے متعلّق وہ قرضے جو میّت پر اُس کی زندگی میں حالتِ صحت کے اندر اقرار، شہادت، لوگوں کے عام مشاہدے یا لوگوں میں مشہور ہونے سے لازم ہوئے ہوں۔ مثلاً میّت نے بحالتِ صحت کسی کے قرضے کا اِقرار

کیا تھا، یا کسی نے اپنے قرض کو میّت کے ذمّے لازم ہونے کو شہادت یعنی گواہی کے ذریعہ ثابت کیا تھا، یا کوئی ایسا قرض جو لوگوں کے عام مُشاہدے میں رہا ہو اور لوگوں میں مشہور ہو، ایسے قرضے حقوق العباد کے قرضے کہلاتے ہیں کیونکہ اِن کا مُطالبہ بندوں کی جانب سے ہے اور میّت پر اُس کی صحت مندی کی حالت میں لازم ہوئے تھے۔

دوسری قسم سے مراد یہ ہے کہ بندوں کے حقوق سے متعلّق وہ قرضے جو مَرض الوفات میں میّت کے اِقرار سے لازم ہوئے ہوں، یعنی جس بیماری میں میّت کا انتقال ہوا ہے اُس بیماری میں اُس نے اپنے ذمّہ کسی کے قرضہ کا اِقرار کیا ہو اور اُس قرض پر گواہوں کی شہادت موجود نہ ہو اور نہ ہی عام لوگوں کا اُس قرض کے بارے میں کوئی مشاہدہ ہو، تو یہ قرض حقوق العباد کے دُیون تو کہلاتے ہیں لیکن چونکہ یہ مرض الوفات کے قرضے ہیں اور کوئی گواہی یا مُشاہدہ وغیرہ موجود نہیں، صرف میّت کا اپنا اِقرار ہے لہٰذا اِس کو حقوق العباد کی دوسری قسم میں شمار کیا جاتا ہے۔ (مفید الوارثین: 44 تا 46)

معاملات کا ایمان سے گہرا تعلق

حدیثِ معاذ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ ''جب تاجر وعدہ کرے تو وعدہ خلافی نہ کرے''۔ مثال کے طور پر کسی نے اُدھار لیا ہے جس کی ادائیگی کرنی ہے۔ اب کوشش کرے کہ مقررہ وقت پر اس کی ادائیگی کر دے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ یہ سارے اعمال تھوڑے سے ایمان کے ساتھ ہو جاتے ہیں، لیکن معاملات میں بہت تھوڑے لوگ ایسے ہیں جو معاملات میں اپنے آپ کو پورا کر دکھاتے ہیں۔ معاملات کی صفائی کے لیے بڑے ایمان کی ضرورت ہے۔ ورنہ ہم لوگوں کا عام طور سے معاملات میں

حال بہت خراب ہوتا ہے۔اوراس میں داڑھی والے یا بغیر داڑھی والے کا بھی کوئی تعلق نہیں ۔نمازی اور بے نمازی کا بھی کوئی تعلق نہیں ۔ہم میں سے بہت سارے لوگ غلط معاملات کرتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ کے حکم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے خلاف کرتے ہیں ۔ ہمارے بعض دوکان دار بھائی ایسے بھی ہیں جب کسی سے مال خریدتے ہیں تو اس کی ادائیگی کے لیے بینک چیک دومرتبہ پارٹی کو دیتے ہیں ۔یعنی ایک مرتبہ مال خریدلیا اور تین مہینے بعد کا چیک کاٹ کر دے دیا۔تین مہینے بعد جب وہ بینک میں چیک ڈالتا ہے تو پیسے نہ ہونے کی وجہ سے چیک واپس ہوجاتا ہے۔ پھر یہ شخص دوبارہ تاجر کے پاس جاتا ہے اور وہ دوبارہ مزید تاخیر کے ساتھ ادائیگی کا چیک دے دیتا ہے۔ اور یہ چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف ہے۔دوفرشتوں کا پہرہ ایک غور طلب بات ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے ہر انسان پر دونگراں فرشتے بٹھائے ہیں۔

دوفرشتوں کا پہرہ ہے

اللہ پاک قرآن پاک میں فرماتے ہیں: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۔(ق:١٨)

ترجمہ: ’’انسان کوئی لفظ زبان سے نکال نہیں پاتا، مگراس پر ایک نگراں مقرر ہوتا ہے ہر وقت (لکھنے کے لیے) تیار‘‘۔اب سیلز مین کوئی بات کریں، کسٹمر کو چیز بیچیں تب بھی وہ بات نوٹ کی جاتی ہے۔بیوی سے بات کریں، یا کسی سے بھی بات کررہے ہوں ۔ جونہی زبان سے کوئی لفظ نکلتا ہے تو یہ فرشتے فوراً لکھ لیتے ہیں ۔تاجر حضرات چیز خریدنے اور بیچنے کے وقت بات چیت میں کمی بیشی کردیتے ہیں ۔اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے اس کے ازالہ کے لیے تاجروں کی جماعت سے بیان کیا: اے تاجروں کی جماعت! خرید وفروخت میں لغویات اور کثرت سے قسم کھائی جاتی ہے (جھوٹی ہو یا سچی) اپنی خرید وفروخت کو صدقے سے ملا دو۔ (سنن ابی داؤد: رقم ۳۳۲۶)

یعنی اپنے مال سے کثرت سے صدقہ اور خیرات دو، تاکہ جو لغویات یا سچی جھوٹی قسمیں کھائی ہیں، اس کی کچھ نہ کچھ تلافی ہو جائے اور یہ صدقہ خیرات سے ہی ممکن ہے۔ اس لیے کہ صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصے کو دور کرتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ اللعالمین ہیں۔ آپ کی خواہش یہ تھی کہ ہر امتی جنت میں چلا جائے اور دنیا میں ہی اپنی بخشش کروا کر رخصت ہو۔ جو اس دنیا میں بخشش نہیں کروا سکیں گے اور رہ جائیں گے تو اِن شاء اللہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کام آئے گی۔ اسی لیے بات سمجھائی کہ معاملات کے دوران اگر اونچ نیچ ہو جائے تو وہ یہاں پر ہی کثرت کے ساتھ صدقہ نکال لیں تاکہ کمی بیشی پوری ہو جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجارت کے اَحوال

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی تجارتی سفر کیے ہیں۔ مختلف روایتوں میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بارہ، تیرہ سال کی عمر کے تھے تو اپنے چچا کے ساتھ شام کی طرف تجارت کی غرض سے سفر پر گئے۔ وہاں بُحیرہ راہب کا تفصیلی واقعہ پیش آیا۔ یہاں اس واقعہ کا تذکرہ کرنا مقصود نہیں، بلکہ یہ بتانا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مختلف تجارتی سفر کیے ہیں اور تجارت کی غرض سے مختلف ملکوں میں گئے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں عُکاظ کا میلہ لگتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تجارت کرتے تھے۔ باقی تمام تاجر عتبہ، شیبہ، ابوجہل، ولید اور دیگر مشرکینِ مکہ بھی تجارت کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کی تجارت کی شان یہ تھی کہ کم گوئی اور صاف گوئی سے تجارت کرتے تھے اور چیز کا عیب ساتھ بتاتے تھے۔سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سودا سب سے پہلے بِک جاتا تھا۔اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اس منافع کو غریبوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے شادی کی وجہ بھی تجارت ہی بنی۔پہلے بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شریکِ تجارت بنایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاف گوئی کی وجہ سے شریکِ حیات بھی بنالیا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے سامانِ تجارت کو لے کر شام کی طرف نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خریدار کے سامنے سامان کے عیب کو کھول کر بتاتے،اور اگر اس میں کوئی اچھی بات ہوتی تو وہ بھی کھول کر بتاتے تھے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سامان بیچا بھی،اور وہاں سے خریدا بھی۔جو بڑے بڑے تاجر تھے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ نہ کر سکے،اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے دُگنا منافع لے کر واپس پہنچے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم معاملات کے اندر اتنے سچے تھے کہ ایک صحابی حضرت عبداللہ بن ابی الحمساء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمانۂ جہالت میں،میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک معاملہ کیا۔ابھی بات چیت ہو ہی رہی تھی،سودا پکا نہیں ہوا تھا کہ میں نے کہا: میں ابھی آتا ہوں،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہیں رکیں۔وہ صحابی فرماتے ہیں کہ میں اس بات کو بھول گیا۔جب تین دن بعد مجھے یاد آیا اور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پلٹا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہیں موجود تھے۔صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے اس پر معافی مانگی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جوان! تم نے مجھے تکلیف میں ڈال دیا تھا۔میں تین دن سے تمہارا یہیں پر انتظار کر رہا ہوں۔(سنن ابی داؤد: کتاب الادب، باب في العدۃ، رقم ۴۹۹۶)

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تجارتی اُصول ہیں جس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے تجارت میں کامیابی حاصل کی۔اور اپنی امت کے نمونہ بنے۔

معاملات صحیح کیسے رکھیں

حدیث میں آتا ہے ''یداً بیدٍ'' سونے چاندی کا معاملات کرتے ہیں تو ہاتھ کے ہاتھ کرو۔ جب پیسہ ہو تو چیز خریدلو قرض معاملہ نہیں کر سکتے ۔حالانکہ دیکھتے ہیں اور سننے میں آتا ہے کہ لوگ ایک چیز لے کر آجاتے ہیں اور برسوں میں پیسہ ادکرتے ہیں جبکہ یہ حرام ہے۔اورلوگ مطلق اس کے طرف دھیان نہیں دیتے اسکی وجہ یہ ہے کہ اس کے مسائل سے واقف نہیں یاتو پھر نظر انداز کرجاتے ہیں کہ یہ بڑا مشکل مسئلہ ہے۔ حالانکہ ایسا مشکل مسئلہ نہیں ہے۔صرف اتنا کہ جب آپ کو کوئی چیز خریدنی ہو تو ایک ہاتھ سے پیسہ دو اور دوسرے ہاتھ سے سامان لو، جب ایسا کر کے چیز لیں گے تو وہ حلال ہوگی ، بہت سی کوتاہی اس میں ہو جاتی ہیں ۔(سوانح حضرت حاذق الامتؒ۔ص/ ۲۲۲)

معاملات اور تجارت

اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو ان کے مالکوں کے پاس پہنچادیا کرو۔ اور جب تم کو منصف بنایا جائے تو بلارورعایت انصاف سے فیصلہ کرو۔(سورۃ النساء، رکوع ۸)

خیانت

مسلمانو، اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ آپس کی امانت میں خیانت کیا کرو،تم جانتے ہی ہو کہ خیانت کتنا بڑا وبال ہے اور تم بخوبی واقف ہو کہ تمہارا مال اور اولاد ایک فتنہ ہے خدا کے ہاں نیکوکاروں کیلئے بڑا اجر ہے۔(سورہ الانفال رکوع ۳)

ناحق

آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھا جایا کرو، اور نہ اس مال کو حکام کے پاس رسائی پیدا کرنے کا ذریعہ بناؤ۔لوگوں کے مال میں سے جان بوجھ کرناحق ہضم کر جانا درست نہیں۔(سورۃ البقرہ رکوع ۲۳) فوائد: مسلمانو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔لیکن آپس کی رضامندی سے اگر تجارتی فوائد اٹھاؤ تو کوئی مضائقہ نہیں اور باہم خونریزی نہ کرو۔(سورۃ النساء، رکوع ۵)

سود

سودخور آدمی قیامت کے دن اس طرح اٹھیں گے جیسے وہ اٹھتا ہے جسے شیطان نے چمٹ کر خبطی بنا دیا ہو۔اس لئے یہ کہا کرتے تھے کہ بیع اور سود میں کوئی فرق نہیں ہے۔حالانکہ خدا نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔(سورۃ البقرہ، رکوع ۲۸)

گواہ

جب آپس میں لین دین کرو تو گواہ بنالیا کرو، اور چاہیے کہ کاتب اور گواہ کو نقصان نہ پہونچایا جائے اور اگر ایسا کروگے تو یہ تمہاری شرارت ہے۔اللہ سے ڈرو، اللہ تم کو معاملہ کی صفائی سکھاتا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔(سورۃ البقرہ، رکوع ۳۹)

ناپ تول: (لوگو) جب ناپو تو پیمانہ کو پوری طرح بھرو، اور (تولتے وقت) سیدھی ڈنڈی رکھ کر تولو یہی (تمہارے لئے) بہتر ہے اور اس کام کا انجام بہت عمدہ ہے۔(سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۴) معاملات میں خرابیاں معاملات کی دنیا میں جو افراط وتفریط، جو بے اصولی وبے اعتدالی پائی جاتی ہے، وہ نہ صرف اہل اسلام کے حق میں

تشویش کا باعث ہے؛ بلکہ اس لحاظ سے بھی سنگین وخطرناک ہے کہ یہ صورت حال غیر مسلم اقوام وملل کو اسلام کے بارے میں منفی تصورات قائم کرنے پر ابھارتی وآمادہ کرتی ہے، چنانچہ جھوٹ، مکروفریب، دھوکہ بازی وچال بازی، ناپ تول میں کمی، وعدہ خلافی، اشیاء میں ملاوٹ وغیرہ ناخوشگوار وانتہائی مکروہ ونازیبا افعال مسلمانوں میں رائج ہو چکے ہیں۔ پھر حلال وحرام میں امتیاز سے لاپرواہی وغفلت، سودی لین دین میں ابتلاء، مظلوم وضعیف افراد پر ظلم وتشدد کے ذریعہ یا جھوٹی دستاویزات کے ذریعہ ان کا مال چھین لینا، دبالینا لڑکیوں کو اور بہنوں کو وراثت سے محروم کر دینا بھی مسلم معاشرے میں کوئی معیوب بات نہیں رہی؛ بلکہ بہت سارے لوگ ان باتوں کو حق سمجھے ہوئے ہیں یا یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ معاملات ومعاشرت میں ہم پر کوئی پابندی نہیں۔ کمائی کیلئے اور اپنی دنیا بنانے کیلئے جو راستہ، جو حیلہ، جو تدبیر چاہے اختیار کر سکتے ہیں۔ اور مولوی حضرات کا اس سلسلے میں متنبہ کرنا، ان کو عجیب لگتا ہے؛ یہاں تک کہ بعض مساجد کے ذمہ داروں کے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ انھوں نے سود کی حرمت پر بیان کرنے پر خطیب کو خطابت سے روک دیا۔ گویا یہ باتیں کہنے اور بیان کرنے کی نہیں ہیں، گویا یہ حضرات وہ بات بزبان حال کہنا چاہتے ہیں، جو کبھی قوم شعیب علیہ السلام نے بزبانِ قال کہی تھی، جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے کہ قَالُوا يٰشُعَيْبُ أَصَلٰوتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ أَوْ أَنْ نَّفْعَلَ فِيٓ أَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ۔ (سورہ ھود:٨٧)

کہا کہ اے شعیب! کیا تمہاری دینداری تمہیں اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم ان چیزوں کی عبادت چھوڑ دیں جو ہمارے آباء واجداد پوجتے تھے، اور یہ کہ ہم اپنے مالوں میں ہماری مرضی کے مطابق تصرف کریں؟ واقعی تم بڑے عقل منداور دین پر چلنے والے

ہو۔) مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: ان کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ بھی یوں سمجھتے تھے کہ دین وشریعت کا کام صرف عبادت تک محدود ہے، معاملات میں اس کا کیا دخل ہے؟ ہر شخص اپنے مال میں جس طرح چاہے، تصرف کرے، اس پر پابندی لگانا دین کا کام نہیں۔ جیسے اس زمانے میں بھی بہت سے بے سمجھ لوگ ایسا خیال کرتے ہیں۔ (معارف القرآن: ۴/ ۶۶۳)

اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادے شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب اپنے خطبات ''اسلام اور ہماری زندگی'' میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ''حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ اَصَلٰوتُكَ تَاۡمُرُكَ اَنۡ نَّتۡرُكَ مَا يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوۡ اَنۡ نَّفۡعَلَ فِىۡۤ اَمۡوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا''۔

یعنی یہ جو ہمیں منع کر رہے ہیں کہ کم مت ناپو، کم مت تولو، انصاف سے کام لو، حلال و حرام کی فکر کرو، تو یہ آپ نے ہمارے معاشی مسائل میں کہاں سے دخل اندازی شروع کر دی؟ تم اگر نماز پڑھنا چاہو، تو اپنے گھر جا کر نماز پڑھو، کیا تمہاری نماز تمہیں اس بات کا حکم دیتی ہے؟ کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں، جن کی ہمارے آباء واجداد عبادت کرتے تھے یا ہمارا جو مال ہے، اس میں ہم جو چاہیں کریں؟ حقیقت میں یہ سرمایہ دارانہ ذہنیت ہے کہ یہ مال ہمارا ہے، یہ دولت ہماری ہے، اس پر ہمارا سکہ چلے گا، تصرف ہمارا ہے، ہم جس طرح چاہیں گے، کریں گے، جس طرح چاہیں گے، کمائیں گے اور جس طرح چاہیں گے، خرچ کریں گے۔ قوم شعیب علیہ السلام کی یہی ذہنیت تھی۔ (اسلام اور ہماری زندگی: ۳/ ۴۷)

الغرض ایسا لگتا ہے کہ ان کے نزدیک معاملات وتجارات، معاشیات واقتصادیات کا باب اسلام کے رہنما اصول کا سرے سے محتاج ہی نہیں؛ جب کہ اسلام

اپنے بارے میں قرآن پاک کے ذریعہ یہ اعلان پوری صفائی اور پوری توانائی کے ساتھ کرتا ہے کہ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ، آج میں نے تمہارے دین اسلام کو مکمل کردیا۔ (سورۃ مائدۃ:۳)

جب اسلام کو کامل ومکمل کردیا گیا اور یہ اپنی کاملیت واکملیت کے ساتھ منصۂ شہود پر جلوہ نما ہے، تو آخر اس کا کیا مطلب ہوسکتا ہے کہ معاملات اور اقتصادیات میں ہم آزاد ہیں؟ اور ہمیں اسلام کے رہنما اصولوں کی اس باب میں کوئی حاجت وضرورت نہیں؟ غرض یہ کہ معاملات کی دنیا میں ہم نے اسلام سے آزادی کا گویا کھلا اعلان کرکے من مانی زندگی اختیار کرلی ہے۔ سود کی برائی کی جگہ اس کی خوبی پر ایمان ہے، رشوت کی مذمت کا اسلامی قانون فرسودہ دکھائی دیتا ہے اور انشورنس اور بیمہ پالیسی میں بجائے قساوت قلبی وخونخواری کے انسانی ہمدردی وغمخواری کا جذبہ محسوس ہوتا ہے؛ جب کہ اسلام ان سب چیزوں سے کھل کر اختلاف کرتا ہے اور ان کی سخت سے سخت الفاظ میں مذمت کرتا ہے۔ اس صورت حال سے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں کہ آج مسلمانوں کے معاملات اسلام کی رہنمائی سے کس قدر دور ہوچکے ہیں؟ معاملات کی دنیا کی ابتری اس کے بعد ذرا اس پر بھی نظر ڈال لو کہ ہمارے معاملات کا کیا حال ہے؟ لوگ اس کو بھی اسلام سے خارج سمجھتے ہیں؛ حالانکہ یہ دین کا بہت اہم شعبہ ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ایک بزرگ حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب کوئی جوان عبادت میں لگتا ہے، تو ابلیس (اپنی ذریت سے) کہتا ہے کہ دیکھو اس کا کھانا کیا ہے؟ اگر اس کا کھانا حرام ہوتا ہے، تو شیطان کہتا ہے کہ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو، اس کو نہ چھیڑو؛ تاکہ وہ مجاہدہ کرتا رہے اور تکلیف اُٹھاتا رہے؛ کیونکہ وہ حرام

کھانے کی وجہ سے خود ہی اپنی ہلاکت کے لیے کافی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ حرام و حلال کی تمیز نہیں ہوتی ،تو اس کی نیکیاں وعبادتیں بھی بے کار ہیں ؛اس لیے شیطان بھی اس کی عبادت کو کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں سمجھتا،تو اللہ کے یہاں اس کا کیا اعتبار ہوگا ؟ایک اور بزرگ حضرت اسحاق الانصاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کو صفِ اول کے لیے دوڑتے ہوئے دیکھا،تو فرمایا کہ مناسب ہوتا کہ یہ لوگ حلال کے حاصل کرنے کی طرف ایسا ہی دوڑتے ۔نیز حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ صفِ اول کی فضیلت کیا ہے؟ فرمایا کہ تیری روٹی کا وہ ٹکڑا، جو تو کھاتا ہے اس کو دیکھ کہ یہ کہاں سے آیا ہے؟ پھر آخری صف ہی میں کھڑا ہو جانا۔لہٰذا دین والے کو معاملات کی دنیا بھی صحیح کرنا چاہیے؛مگر لوگوں نے اس کو دین سے خارج کردیا اوراس وجہ سے اس میں من مانیاں کرتے ہیں ، نہ حلال وحرام کی تمیز باقی رہی ،نہ اچھے و بُرے کا کوئی فرق،نہ معاملات کی صفائی کا کوئی لحاظ رہا؛ حالانکہ حرام سے پرہیز کرنا بھی اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے، ہم اس سے پرہیز کیے بغیر دین والے کیسے ہوسکتے ہیں؟ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص حرام مال حاصل کرے گا اوراس سے صدقہ دے گا،تو وہ صدقہ قبول نہیں کیا جائے گا اور جو اس سے (اپنی ضرورت) میں خرچ کرے گا،اس میں برکت نہ ہوگی اورترکے میں اس کو چھوڑ کر مرے گا،تو وہ اس کے لیے جہنم کا توشہ ہوگا‘‘۔(مشکوٰۃ:۲۴۲)

یہ حدیث حرام مال کی دنیوی واُخروی نحوست کو صاف وصریح انداز میں بتارہی ہے۔اخروی نحوست تو یہ ہے کہ صدقہ قبول نہ ہوگا اور یہ حرام مال، اس کا توشہ جہنم بنے

گا اور دنیوی نحوست یہ ہے کہ اس مال کو خرچ کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت نہ دے گا؛ چنانچہ مشاہدہ بھی ہے کہ حرام مال میں برکت نہیں ہوتی، وہ مقدار میں زیادہ ہونے کے باوجود نفع نہیں دیتا، جو حلال مال دیتا ہے؛ چنانچہ آج لوگوں کے پاس مال تو بے حد ہے؛ مگر مال سے جو مقصود ہے یعنی راحت وسکون؛ وہ حاصل نہیں؛ بلکہ مال میں اضافے کے ساتھ ساتھ بے چینی میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے، یہی سب سے بڑی بے برکتی ہے۔ نیز ایک بے برکتی یہ بھی ہے کہ اس مال سے جو کام کرنا چاہتے ہیں، وہ ہوتے ہوتے رُک جاتا ہے اور کام ادھورا رہ جاتا ہے۔ نیز مالِ حرام استعمال کرنے والے کی دعائیں قبول نہیں کی جاتیں۔ چناں چہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ایسا شخص، جو دور دراز سے سفر کرکے (کسی متبرک جگہ) آئے اس طرح کہ اس کے بال بکھرے ہوئے ہوں اور سر سے پاؤں تک وہ غبار میں اَٹا ہوا ہو اور وہ خوب گڑگڑا کر دعا کرے اور کہے: اے میرے رب! اے میرے رب! لیکن اس کا کھانا پینا حرام مال سے ہو، اس کا لباس حرام ہو اور اس کی پرورش حرام سے ہوئی ہو، تو اس حالت میں اس کی یہ دعا کیوں کر قبول ہوگی؟ (المسلم ۱۶۸۶، الترمذی ۲۹۱۵)

معاملات صاف رکھو دل صاف رہیں گے اسی طرح دین کے اندر صفائی کا حکم ہے، دیکھئے اگر معاملات کو صاف رکھیں تو ممکن نہیں کہ دلوں میں فرق آئے، بہر حال شریعت کے جو احکام معاملات ومعاشرت اور اخلاق کے متعلق ہیں ان کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہ ہو۔ حاصل کلام یہ کہ محبت کے جو اسباب ہیں نوال، جمال، کمال، شریعت نے ان کی تعلیم فرمائی ہے پس جو شخص شریعت پر عمل کرے گا جو کہ عَمِلُوا الصّٰلِحٰت کا مدلول (ومصداق)

ہے وہ یقینا محبوب ہو جائیگا، اوراپنی قوم میں تو محبوب ہوگا غیر قوموں میں بھی اس کا اعتبار ہوگا۔ (الاتفاق، آداب انسانیت ص ۴۶۱)

معاملات اور لین دین میں اعتدال قرض اور لین دین کے معاملات میں بھی آپ نے اعتدال کی تعلیم دی۔ ایک طرف آپ نے لوگوں میں ہمدردی وخیر خواہی کا جذبہ ابھارا، اور محتاجوں کو قرض دینے کی ترغیب دی، دوسری طرف خود آپ کا یہ عمل تھا کہ قرض سے پناہ مانگا کرتے تھے: ''**اللھم انی اعوذبک من الماثم ومن المعزم**۔ اے اللہ میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ مانگتا ہوں، قرض کی ادائیگی کے معاملہ میں بھی اعتدال کو ملحوظ رکھا، ایک طرف قرض خواہ کو یہ تعلیم دی کہ اگر قرض خواہ تنگ دست ہے تو اسے مہلت دیا کرو، دوسری طرف خوشحال لوگوں کو قرض کی فوری ادائیگی کی تلقین فرمائی، اور فرمایا کہ مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ (بخاری باب الحوالۃ حدیث ۲۲۸۷)

ایک دن بدو آیا جس کے کچھ کچے کھجور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمے تھے، اس نے بدویانہ انداز میں نہایت سختی سے گفتگو کی، صحابہ نے اس گفتگو پر اس کو ڈانٹا اور کہا تجھے خبر ہے کہ کس سے کلام کر رہا ہے، بولا میں اپنا قرض مانگ رہا ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا تم لوگوں کو اس کا ساتھ دینا چاہئے کیونکہ یہ اس کا حق ہے، پھر صحابہ کرام کو اس کا قرض ادا کرنے کا حکم دیا اور زیادہ دلوایا۔ (بخاری باب الوکالۃ فی قضاء الدیون حدیث: ۲۳۰۶)

بڑوں چھوٹوں اور علماء سے معاملات: زندگی میں ہمیں جن لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے ان میں بڑے چھوٹے ہر عمر کے لوگ ہوتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من لم یرحم صغیرنا ولم یؤقر کبیرنا ولم یجل عالمنا فلیس منا۔

(جامع الاحادیث سیوطی رقم الحدیث ۱۳۵۷)

جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کرتا اور ہمارے علماء کا احترام و تعظیم نہیں کرتا وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔" اس حدیث مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایسا اخلاقی پہلو بیان فرمایا ہے کہ جو آج ہمارے معاشرے سے نکل چکا ہے بچوں پر شفقت تو دور کی بات ہے انہیں پھاڑ کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے حالانکہ یتیم اور بے آسرا بچوں کی نگہداشت پر اللہ تعالیٰ کتنا عطا فرماتے ہیں اس کا ہمیں اندازہ نہیں ہے۔اور نہیں تو کم از کم اتنا ہی سوچ لینا چاہیے کہ یہ بچہ مجھ سے عمر میں چھوٹا ہے اس کے گناہ بھی مجھ سے کم ہوں گے۔اور بڑوں کی تکریم کرنی چاہیے اس لیے کہ جیسے وہ عمر میں بڑے ہیں یقینا ان کی نیکیاں بھی ہم سے زیادہ ہوں گی۔ اور بوڑھے والدین کی خدمت پر اللہ تعالیٰ نے کتنے اجر کا وعدہ فرمایا ہے اور شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ والدین کی نافرمانی کو بتایا گیا ہے والدین ایک ایسی نعمت ہے جو خدا کے خزانے سے بھی صرف ایک بار ملتی ہے اس لیے اس نعمت کی قدر کرنی چاہیے اور تیسرا معاشرتی ادب علماء کرام کا احترام ہے۔آج پورے معاشرے کو الحاد کی آندھی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور ہماری زندگیوں سے ادب واحترام کا جنازہ نکلتا چلا جارہا ہے اللہ تعالیٰ نے ان علماء کرام کو انبیاء کا وارث قرار دیا ہے۔ہمیں علماء اسلام کا بھرپور احترام کرنا چاہئے

ایمان والوں کو ادھار کے معاملات لکھنے کا حکم

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ لٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ۔(سورہ بقرہ)

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم کوئی ادھار کا معاملہ کرو کسی خاص مدت تک تو لکھ لیا کرو۔

تشریح: کیونکہ نہ لکھنے کی صورت میں بعض دفعہ بھول ہوجاتی ہے اور نزاع وفساد واقع ہوجاتا ہے اور لکھنے کی شکل میں نزاع اور فساد کا امکان نہیں رہتا یا کم رہتا ہے، الوسیط میں ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ادھار کے معاملات میں لکھنے اور گواہ بنانے کا حکم فرمارہے ہیں، دوسری بات آیت کریمہ سے یہ معلوم ہوئی کہ ادھار کے معاملات میں میعاد متعین ہونا بھی ضروری ہے۔

معمولات سے زیادہ معاملات کی فکر کیجئے

ایک صاحب نے اپنے معمولات لکھے کہ تہجد پڑھتا ہوں اوابین واشراق کی بھی بحمدہٖ تعالیٰ پابندی ہے لیکن اسی وقت ریاح کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے قرآن پاک کی تلاوت نہیں کر پاتا۔ اوراب زیادہ وظائف کی صحت متحمل نہیں مختصراً کیا کروں؟

حضرت نے جواب تحریر فرمایا:

مکرمی زید کرمکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آسانی سے جتنی نوافل جس وقت پڑھ سکیں اس پر اکتفا کریں۔ معاملات کی درستگی کا زیادہ اہتمام کریں۔ (صدیق احمدؒ)

مرید کو شیخ کے خانگی معاملات میں نہ پڑنا چاہئے

ارشاد: مشایخ کی وصیت ہے کہ مرید کو شیخ کے خانگی معاملات میں نہ گھسنا چاہیے، کیوں کہ جو شخص کسی کے خانگی معاملات سے واقف اور ان میں دخیل ہوتا ہے اس کے قلب سے دوسرے کی عظمت کم ہوجاتی ہے۔ اور مشایخ کو یہی مناسب ہے کہ مریدوں کو اپنے خانگی معاملات پر مطلع یا ان میں دخیل نہ کرے کہ اس سے تمام طبائع کو بجائے نفع کے ضرر ہوتا ہے۔ (انفاس عیسی صفحہ ۴۸)

قرض خواہ کے ساتھ رحم دلی کا معاملہ حضرت امام بخاریؒ سے سیکھئے

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ آپ کا ایک صاحب کے ذمہ ۲۵ ؍ہزار روپئے بطور قرض تھے مگر وہ بہت تنگ کرتا تھا اور ادھر ادھر بھاگتا رہتا تھا، دوسرے حضرات نے امام صاحب سے بارہا کہا کہ ہم اس کو پکڑلیں اور اس کے لئے فلاں فلاں اس دور کے حکام وسلاطین سے بات کریں گے اور ہم نے حضرت کو بتائے بغیر جب اس کے بارے میں حکام وسلاطین سے بات کی اور سختی کرانی چاہی تو حضرت نے منع فرمادیا اور اس کو بہت سہولت دیدی کہ تم ہر سال صرف دس درہم دیدیا کرو، اللہ اکبر! امام بخاریؒ کا تقویٰ کتنا تھا اور اخلاق کس قدر وسیع تھے ۲۵ ؍ہزار درہم میں سے کتنے حضرت کو وصول ہوئے ہونگے اللہ ہی جانتے ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ؍ص ۴۴۶ ؍ج ۱۲)

حضرت امام بخاری قدس سرہ ایک صاحب کے مکان میں بطور کرایہ دار رہتے تھے اور کافی زمانہ رہے مگر فرماتے تھے کہ میں نے کبھی اس کی دیوار اور زمین میں سے کچھ لے کر استنجے کی ضرورت پوری کرنے کے لئے استعمال نہیں کیا اس بات کا خیال رکھا کہ مکان دوسرے کا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ؍ص ۴۴۷ ؍ج ۱۲)

بیع میں تقویٰ

حضرت امامؒ کو باندی کی ضرورت تھی، آپ ایک صاحب کو ساتھ لیکر باندیاں دیکھنے گئے، وہاں خوبصورت سے خوبصورت باندیاں تھیں مگر ایک باندی جو صورت وشکل میں زیادہ اچھی نہ تھی آپ نے اس کو دیکھا اور دیکھتے ہوئے آپ کا ہاتھ اس کی ذقن پر لگ گیا، آپ نے ساتھی سے فرمایا کہ اسی کو خریدلو، ساتھی نے کہا کہ دوسری اور باندیاں خوبصورت

اورکم قیمت کی بھی موجود ہیں مگر حضرت امامؒ نے اسی کوخریدااور فرمایا اب یہ بات مناسب معلوم نہیں ہوتی جب اس کومس کرلیا گیا تو اب اسی کوخریدنا ہے، چنانچہ اسی باندی کوخریدا گیا حالانکہ آپ کو قیمت زیادہ ادا کرنی پڑی۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۷۴۴ ج ۱۲)

جانوروں کے ساتھ حقوق کی اہمیت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز ساری زمین ایک سطح مستوی ہوجائے گی، جس میں انسان، جنات زمین پر چلنے والے پالتو جانوراور وحشی جانورسب جمع کردیئے جائیں گےاور جانوروں میں سے اگرکسی نے دوسرے پر ظلم دنیا میں کیا تھاتو اس سے اس کا انتقام دلوایا جائے گا، یہاں تک کہ اگرکسی سینگ والی بکری نے بے سینگ بکری کو مارا تھاتو آج اس کا بھی بدلہ دلوایا جائے گا، جب اس سے فراغت ہوگی تو سب جانوروں کوحکم ہوگا کہ مٹی ہوجاؤ، وہ سب مٹی ہوجائیں گے۔ (معارف القرآن)

جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیئے، ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادنا منع ہے۔

بوڑھوں اور حیوانات کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کریمانہ سلوک

اُداس چہرہ، سفید ڈاڑھی، ہاتھ میں لاٹھی، کھال میں سِلوٹ، چال میں سستی، بات میں لرزہ، یہ معاشرہ کا وہ کمزور طبقہ ہے، جسے ہم "بوڑھا" کہتے ہیں، انسانی زندگی کئی مراحل سے گزرتے ہوئے بڑھاپے کو پہونچتی ہے، بڑھاپا گویا اختتامِ زندگی کا پروانہ ہے، اختتامی مراحل ہنسی خوشی پورے ہوں تو اس سے دلی تسلی بھی ہوتی ہے، رہن سہن میں دشواری بھی نہیں؛ لیکن آج جو صورتحال سن رسیدہ افراد کے ساتھ روا رکھی گئی ہے،

اس سے عمر رسیدہ افراد کی پریشانی میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہے؛ حالانکہ والد نے بچے کی پرورش اس امید پر کی تھی کہ وہ بڑھاپے میں سہارا بنے گا، بجائے اس کے کہ یہ لڑکا بوڑھے باپ کو سہارا دیتا، کمر کو بھی توڑ دیتا ہے۔ایک جانب معاشرہ کی یہ صورتحال ہے، دوسری جانب نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوڑھوں کے ساتھ کمزوروں کے ساتھ ضعیفوں کے ساتھ بہت ہی زیادہ حسنِ سلوک کا مظاہر کیا، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ عمر رسیدہ افراد کی قدر دانی کی تعلیم دی، وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل کے ذریعہ قدر دانی کا ثبوت بھی مہیا فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن رسیدہ افراد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کی عظمت و بڑائی کا تقاضہ یہ ہے کہ بوڑھے مسلمان کا اکرام کیا جائے۔

(ابوداؤد: ۴۸۴۳ باب فی تنزیل الناس منازلہم، حسن)

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے بال اسلام کی حالت میں سفید ہوئے ہوں، اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوگا۔

(ترمذی: ۱۶۳۴ باب ماجاء فی فضل من شاب، صحیح)

ان احادیث سے سن رسیدہ افراد کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، اول الذکر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رسیدہ کو حاملِ قرآن و عادل بادشاہ پر بھی مقدم کیا ہے؛ حالانکہ ان دونوں کی اہمیت و عظمت اپنی جگہ پر مسلم ہے، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوڑھوں کی رعایت کرتے ہوئے، ان کی حمایت فرمائی، دوسری حدیث میں بڑھاپے کے اثرات کا اخروی فائدہ بیان کیا کہ جس پر بڑھاپا اسلام کی حالت میں آیا ہو تو اس کے لیے اللہ اس بڑھاپے کی قدر دانی کرتے ہوئے روزِ محشر نور مقدر

فرمائیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوڑھوں کا اکرام واحترام کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔ (بخاری: ۶۲۳۴ باب تسلیم الصغیر علی الکبیر)

بڑوں کے اکرام واحترام کی ایک شکل سلام بھی ہے، بڑوں کی عمران کی بزرگی کا لحاظ کرتے ہوئے چھوٹے ہی بڑوں کو سلام کیا کریں؛ تاکہ یہ سلام چھوٹوں کی جانب سے بڑوں کے اکرام کا جذبہ بھی ظاہر کرے، اور بڑوں کے لیے بھی دل بستگی کا سامان ہو، کئی مقامات پر بڑوں کو بچوں سے اسی بات کی شکایت ہوتی ہے کہ بچے انھیں سلام نہیں کرتے ،فطری طور پر بڑے عزت کے طالب ہوتے ہیں، کیوں نہ ہم ان کے اس تقاضے کا لحاظ کرتے ہوئے سلام کے ذریعہ ان کے جی کو خوش کریں، مجالس میں کوئی مشروب آئے تو اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا لحاظ کیا اس کو اولاً بڑے نوش فرمائیں، بڑوں سے آغاز ہو، فرمایا: بڑوں سے آغاز کرو؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ مسواک کرتے ہوئے دو میں سے بڑے کو پہلے مسواک عنایت فرمائی۔ (ابوداؤد: ۵۰ باب فی الرجل یستاک، صحیح)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑوں کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے فرمایا:

اَلْبَرَكَةُ مَعَ أَكَابِرِكُمْ کہ برکت تو تمہارے بڑوں کے ساتھ ہے، کون ہے جو برکت کا متلاشی نہ ہو؟ کون ہے جو برکت کا طلبگار نہ ہو؟ آج تو کوئی ایک بے برکتی کے شاکی ہیں، ایسے میں برکت کے حصول کا آسان طریقہ کار یہ ہے کہ بوڑھوں کو اپنے ساتھ رکھا جائے، ان کے اخراجات کی کفالت کی جائے، اس سے آمدنی میں برکت ہوگی، نیز ایک موقع پر فرمایا: بات چیت میں بھی بڑوں کو موقع دیا، كَبِّرِ الْكِبَرَ، اس کی تشریح کرتے ہوئے یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بات چیت کا آغاز بڑے لوگوں سے ہو۔ (بخاری: ۶۱۴۲ باب اکرام الکبیر)

ایک موقع پر بوڑھوں کے اکرام کے فضائل وفوائد ذکر کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نوجوان نے کسی بوڑھے کا اکرام اس کی عمر کی بنیاد پر کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے بڑھاپے میں اکرام کرنے والا شخص مقرر فرمائیں گے۔

(ترمذی: ۲۰۲۲ باب ماجاء فی اجلال الکبیر، ضعیف)

کون ہے جو اپنے بڑھاپے کو ہنسی خوشی پورا نہیں کرنا چاہتا؟ کون ہے جو بڑھاپے میں خدمت گزاروں سے کتراتا ہے؟ کون ہے جو بڑھاپے میں آرام وسکون نہیں چاہتا؟ ان سب کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آسان نسخہ عنایت فرمایا کہ اپنے بوڑھوں کا اکرام کرو تمہیں بڑھاپے میں خدمت گار مل جائیں گے، الغرض! مختلف مواقع پر مختلف انداز سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوڑھوں کی اہمیت وعظمت کو واضح کیا، اور امت کو ان پر توجہ کی تعلیم دی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کریمانہ اخلاق ہیں کہ امت کے ہر کمزور طبقہ پر بذاتِ خود بھی رحم وکرم کا معاملہ کیا، اوروں کو بھی رحم وکرم سے پیش آنے کی تلقین کی۔

بڑوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل

ایک سن رسیدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے، آنے والے کے لیے لوگوں نے مجلس میں گنجائش نہ پیدا کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورتحال کو دیکھ کر صحابہ کرام ؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا: جو شخص چھوٹوں پر شفقت نہ کرے، بڑوں کی عزت نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں۔ (ترمذی: ۱۹۱۹ باب ماجاء فی رحمۃ الصغیر)

یعنی ایک مسلمان میں جو صفات ہونی چاہیے ان میں سے ایک بڑوں کا اکرام بھی ہے، اگر کوئی اس وصف سے متصف نہیں تو گویا وہ ایک اہم مسلمانی صفت سے محروم

ہے، اگر کوئی اس اہم اسلامی صفت کا خواستگار ہے تو اسے بڑوں کے اکرام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے، فتحِ مکہ کے بعد جو حیرت انگیز واقعات رونما ہوئے انھیں میں ایک اہم واقعہ حضرت ابوبکرصدیق ص کے بوڑھے والد کا بھی پیش آیا، لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کرنے کے لیے انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بڑھاپے کو دیکھتے ہوئے فرمایا: ان کو گھر ہی میں کیوں نہ چھوڑا؟ میں خود ان کے گھر پہونچ جاتا۔ (مستدرک حاکم: ۵۰۶۵ ذکر مناقب ابی قحافہ)

واضح رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں فاتح بن کر داخل ہورہے ہیں، اس کے باوجود بوڑھوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ رحیمانہ وکریمانہ سلوک ہے؛ حالانکہ دیگر فاتحین کا طرزِ عمل تو وہ ہے، جسے قرآن حکیم نے بیان کیا ہے کہ جب فاتحین کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس بستی کو برباد کردیتے ہیں، اہلِ عزت کو ذلیل کرتے ہیں، یہی ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ (النمل: ۳۴)

یہ عمر رسیدہ افراد کی عملی قدر دانی ہے، جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ثبوت فراہم کررہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعظیم کرتے ہوئے یہ تصور نہ کیا کہ ابوقحافہ ایک طویل عرصہ تک کفر کی حالت میں رہے، اب کفر مغلوب ہوا تو وہ مسلمان ہورہے ہیں، بعض دفعہ انسان سابقہ اختلاف کی وجہ سے کسی کی تعظیم وتکریم سے کتراتا ہے؛ حالانکہ اس میں ان لوگوں کے لیے اسوہ ہے کہ سن رسیدہ کی بہرصورت تعظیم کی جائے، نماز کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی حریص اس حرص وطمع کے باوجود بھی بوڑھوں کی رعایت میں نماز میں تخفیف فرمادی، ابومسعود ص انصاری فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک صحابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر شکایت کرنے لگے کہ میں ظہر کی

نماز میں فلاں شخص کی طویل قرأت کی وجہ سے حاضر نہیں ہوسکتا، ابومسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس غضبناک کیفیت میں دیکھا اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا: نمازیوں میں نماز سے نفرت مت پیدا کرو، لہٰذا جو بھی شخص امامت کرے وہ ہلکی نماز پڑھایا کرے، کیوں کہ اس میں کمزور بھی ہیں، بوڑھے بھی ہیں، ضرورت مند بھی ہیں۔ (بخاری: ۷۰۲ باب إذا طول الامام وکان الرجل ذا حاجۃ)

ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے طویل قرأت کی شکایت کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پر غصہ ہوتے ہوئے فرمایا: فَتَّانٌ فَتَّان! (بخاری: ۷۰۱ باب إذا طول الامام)

اے معاذ! کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والے ہو! تین دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلمات کو دھرایا، غور وخوض کا مقام ہے کہ سن رسیدہ اور کمزور افراد کی رعایت کا سلسلہ نماز جیسے اہم فریضہ میں بھی جاری ہے، بڑھیا کا مشہور واقعہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑھیا کا سامان اٹھا کر شہر مکہ کے باہر پہونچا دیا تھا؛ حالانکہ وہ بڑھیا جو اسلام سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بدزبانی میں مصروف تھی؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے طفیل اس بڑھیا نے بھی اسلام قبول کرلیا تھا۔ ایک دفعہ مجلس میں بائیں جانب اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے اور دائیں جانب ایک بچہ تھا اور مجلس میں کوئی مشروب پیش ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے سے اجازت چاہی کہ چونکہ تم دائیں جانب ہو اگر تم اجازت دو تو میں اس کا آغاز ان بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے کروں، اس بچے نے اپنے آپ پر کسی کو ترجیح

دینے سے انکار کر دیا؛ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مشروب اسی کے ہاتھ میں تھما دیا۔ (بخاری: ۲۳۶۶، باب من رأی أن الحوض الخ)

غور طلب امر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیں جانب بڑوں کی موجودگی کے باوجود اس بات کی کوشش کی کہ مشروب کا آغاز بڑوں ہی سے ہو، اس کے لیے بچے سے اجازت بھی مانگی؛ لیکن بچے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نوش کردہ برکت کی وجہ سے اپنے آپ پر کسی کو ترجیح نہ دی، اس سے بھی بڑوں کے ساتھ اکرام کا درس ملتا ہے کہ بہر صورت ان کے اکرام کی کوشش کی جائے، ان کی توہین سے بیزارگی کا اظہار ہو۔

ان اقوال واحوال کا سرسری جائزہ لینے سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوڑھوں کا ہر موقع پر لحاظ فرمایا، کسی بھی بوڑھے کا اکرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کی بنیاد پر کیا، رشتہ داری وتعلق سے بالاتر ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سن رسیدہ کے اکرام کو ترجیح دی، آج ضرورت اس بات کی ہے کہ انسانیت کے اس ستم رسیدہ طبقے کے ساتھ احترام واکرام کا معاملہ کیا جائے، ان کے حقوق جان کر پورے کرنے کی کوشش کریں، کسی چیز کے ذریعہ بڑھاپے میں انھیں تکلیف نہ دیں، ان کی ضروریات پوری کرکے ان پر احسان کرتے ہوئے ان کی دعاؤں میں شامل ہوں، بعض دفعہ بوڑھوں سے ہونے والی خطاؤں سے نظرانداز کریں۔

حیوانات کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رحیمانہ سلوک

اس دور میں جب کہ مسلمانوں کی شبیہ بگاڑ کر پیش کرنے کی ناکام کوشش کی جارہی ہے، مسلمانوں کو مسیحا کے بجائے قاتل، صلح پسند کے بجائے جنگجو، امن پسند کے

بجائے شدت پسند کے عنوان سے متعارف کرنے کی پیہم کوشش جاری ہے، دشمنانِ اسلام کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ مسلمان کبھی شدت پسند وجنگجو ہو ہی نہیں سکتا؛ کیونکہ اس کا رشتہ ایسے نبی کریم اسے ملتا ہے، جو صرف انسانیت ہی کے لیے نہیں؛ بلکہ سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیے گئے ہیں، جن کی رحمت کا اثر صرف انسانوں تک ہی محدود نہ تھا؛ بلکہ اس سے متجاوز ہو کر آپ کا سایۂ عاطفت ورحمت چرند پرند حیوانات تک کے لیے عام تھا، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ جانوروں کے ساتھ نرمی کی ہدایات دیں، وہیں عمل کے ذریعہ بھی جانور کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ کر دکھایا، آج جب کہ جانوروں کے حقوق کے تحفظ کی خاطر کئی تنظیمیں بیدار ہو رہی ہیں، کئی حکومتیں جانوروں کے تحفظ کے لیے سرگرم مہمیں چلا رہی ہیں، جانوروں کے حقوق کی رعایت نہ کرنے والوں کے لیے کڑی سے کڑی سزائیں تجویز کی جا رہی ہیں، ان قوانین کے پامال کرنے والوں کو قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑ رہی ہیں، قربان جائیے نبیِ اکرم اپر جنہوں نے آج سے چودہ صدی قبل حیوانات کے حقوق کے تحفظ اور ان کی حمایت کا اعلان فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو بھوکا رکھنے، اسے تکلیف دینے، اس پر سکت سے زائد بوجھ لادنے سے منع فرمایا، نیز جانور کو نشانہ بنانے، جانور پر لعنت کرنے والے کو مجرم قرار دیا، جانوروں کو تکلیف دینے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی سختی میں سے شمار کیا۔

جانور کے ساتھ رحم وکرم ان کے ساتھ نرمی کے بے شمار واقعات کتابوں میں مذکور ہیں؛ لیکن ہم چند واقعات واقوال کے نقل پر اکتفاء کرتے ہیں۔

نشانہ بازی

زمانۂ جاہلیت میں جانوروں کو تکلیف دینے کی رائج صورتوں میں ایک اہم صورت زندہ جانور کو نشانہ بازی کے لیے مقرر کرنا تھا، غور کیجیے زندہ جانور کو جب تیروں کے ذریعہ چھلنی کیا جاتا ہوگا تو کس قدر انھیں تکلیف ہوتی ہوگی، آپ نے اس سے منع فرمایا، ایک دفعہ ابن عمر رضی اللہ عنہ قریش کے چند نوجوانوں کے پاس سے گزرے جو ایک زندہ پرندہ کو لٹکا کر نشانہ بازی کر رہے تھے، وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر متفرق ہو گئے، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا: یہ کس نے کیا ہے؟ اس فعل کے مرتکب پر اللہ کی لعنت ہے، پھر ابن عمرؓ نے آپ کا قول نقل کیا: اللہ کی لعنت اس شخص پر ہے جس نے نشانہ بازی کے لیے ذی روح کو استعمال کیا۔ (مسلم: ۹۵۸، باب صبر البہائم)

ایک دفعہ ابن عمر رضی اللہ عنہ یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو دیکھا کہ ایک غلام مرغی کو باندھ کر نشانہ بازی کر رہا ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس مرغی کو کھول دیا، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے، اس بچے کو ڈراؤ! اس طرح پرندہ کو قید کر کے قتل کرنے سے روکو؛ اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو قید کر کے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری: ۵۵۱۴ ما یکرہ من المثلۃ)

پرندہ اور اس کے ماں باپ میں جدائیگی

اولاد سے فطری محبت جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں ودیعت کر رکھی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ جذبہ جانوروں کو بھی عطا کیا ہے، بعض طاقتور جانور تو اولاد کی جدائیگی پر حملہ آور بھی ہو جاتے ہیں؛ لیکن جو جانور کمزور ہو اولاد سے وہ جدائیگی کے غم

میں گھٹ جاتا ہے، اسی طرح کا ایک واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر میں پیش آیا، ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم سفر میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ضرورت کے لیے تشریف لے گئے، اتنے میں ہم نے ایک سرخ پرندے کو اس کے چوزوں سمیت دیکھا، لہٰذا ہم نے بچوں کو اٹھالیا، ان چوزوں کی ماں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور اپنے بازو ہلا کر کچھ کہنے لگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کس نے اس پرندے کے بچوں کو اس سے جدا کر کے تکلیف دی ہے، اس کے بچوں کو لوٹا دو۔ (ابوداؤد: ۳۶۷۵، کراہیۃ احراق العدو بالنار)

مثلہ کی ممانعت

جانوروں کو زندہ رکھ کر اگر اس کے اعضاء وجوارح کو کاٹا جائے تو اسے کتنی تکلیف ہوگی؟ اس کا اندازہ کرنا دشوار ہے، جانوروں کو جن ذرائع سے تکلیف دی جاتی، انھیں میں ایک طریقہ زمانۂ جاہلیت میں مثلہ کا بھی رائج تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ کار کی مذمت کی، اور اس کے مرتکب پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی، جس شخص نے جانور کا مثلہ کیا، اس پر آپ نے لعنت فرمائی۔ (بخاری: ۵۵۱۵ ما یکرہ من المثلۃ)

ایک دفعہ مثلہ زدہ گدھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزرا تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کے مرتکب پر لعنت فرمائی۔ (مسلم: ۲۱۱۷ باب النہی عن ضرب الحیوان فی وجھہ)

جانوروں پر احسان، مغفرت کا ذریعہ

کسی کی ضرورت کی تکمیل، کسی کی تکلیف کا دفعیہ، جس طرح اس کی ضرورت انسانوں میں پائی جاتی ہے، اسی طرح جانور بھی احسان کے مستحق ہوتے ہیں؛ بلکہ بے

زبان جانور انسانوں کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی احسان کے مستحق ہوتے ہیں، کیونکہ وہ اپنی تکلیف بیانی کے لیے زبان نہیں رکھتے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں انسانوں کے ساتھ احسان کی تعلیم دی ہے، وہیں جانوروں کے ساتھ بھی احسان کی ترغیب دی ہے؛ بلکہ بعض خصوصی مواقع پر جانوروں کے ساتھ احسان کو مغفرت کا ذریعہ قرار دیا؛ چنانچہ آپ نے فرمایا: ایک راہ رو پیاس سے بے تاب ہوکر کنواں میں اتر کر پانی پی لیتا ہے، جب کنواں سے باہر نکلتا ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک کتا پیاس کی شدت سے کیچڑ کھا رہا ہے، اس شخص نے محسوس کیا کہ یہ کتا بھی میری ہی طرح پیاسا ہے، لہٰذا وہ شخص کنواں میں اترا، اور اپنے موزے میں پانی بھر لیا، اور کتے کو سیراب کیا، اس خدمت پر اللہ نے اس بندہ کی قدردانی کی، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کردی، صحابہ کرام نے سوال کیا؟ کیا ہمیں جانوروں پر بھی احسان کرنے سے اجر ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر ذی روح پر احسان کرنے سے اجر ملے گا۔ (بخاری:۶۰۰۹، باب رحمۃ الناس والبہائم)

اس سے تعجب خیز واقعہ وہ ہے جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک دفعہ پیاس کی شدت سے ایک کتا کنواں کے اردگرد گھوم رہا تھا، قریب تھا کہ پیاس کی وجہ سے وہ ہلاک ہوجائے، اچانک ایک گنہ گار عورت جو بنی اسرائیل کی تھی، اس نے اپنے موزے کو نکالا، اور کتے کو پانی پلایا، اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی مغفرت فرمادی۔ (بخاری:۳۴۶۷)

غور کرنے کا مقام ہے، ایسے جانور کے ساتھ رحم کرنے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت کا ذریعہ قرار دیا ہے، جسے بعض علماء نے نجس العین تک قرار دیا ہے، بعض علماء نے اگر کتا برتن میں منھ ڈال دے تو سات آٹھ دفعہ برتن کو دھونے کا حکم دیا ہے،

اس کے بالمقابل جانوروں کے ساتھ بُرا سلوک بعض دفعہ انسانوں کو جہنم میں بھی لے جاتا ہے، ایک عورت ایک بلی کو تکلیف دینے کے سلسلے میں جہنم میں چلی گئی، اس عورت نے بلی کو باندھ دیا تھا، اس کو نہ کھلاتی تھی اور نہ ہی اس کو چھوڑتی تھی کہ باہر وہ اپنی غذا کا انتظام کر سکے، حتی کہ وہ کمزور ہوگئی اور مر گئی۔ (مسلم:۲۶۱۹)

جانوروں کے ساتھ نرمی کا معاملہ

نہ صرف یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی نرمی کا برتاؤ کرتے تھے؛ بلکہ حضرات صحابہ کرام کو بھی اس کی تلقین فرماتے، ایک دفعہ ایک اونٹ بدک گیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اس اونٹ کو سنبھالنا دشوار ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم باغ میں داخل ہوئے جس میں یہ اونٹ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کی طرف بڑھ رہے تھے، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ اونٹ کٹخنے کتے کی طرح ہو گیا ہے، یہ آپ پر حملہ آور ہو سکتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھبرانے کی کوئی بات نہیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹ پر نظر التفات کیا تو وہ اونٹ سجدہ ریز ہو گیا، آپ نے اس کی پیشانی پکڑی اور اسے کام پر لگا دیا، یہ دیکھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کہنے لگے، جب جانور آپ کو سجدہ کر سکتا ہے، ہم انسان ہو کر آپ کو سجدہ کیوں نہ کریں، کسی انسان کے لیے سجدہ درست نہیں، اگر کسی انسان کے لیے سجدہ درست ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کا سجدہ کرے۔ (مسند احمد: ۱۲۶۱۴)

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باغ میں داخل ہوئے، وہاں ایک اونٹ تھا، اس نے جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو وہ رونے لگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے آنسو پوچھے، وہ خاموش ہو گیا، آپ نے اس کے مالک کے سلسلہ میں دریافت کیا تو

ایک انصاری صحابی نے کہا کہ میں اس کا مالک ہوں، آپ نے فرمایا: کیا تم جانور کے سلسلہ میں اللہ سے نہیں ڈرتے، جس کا اللہ نے تمہیں مالک بنایا ہے، اس سے کام زیادہ لیتے ہو، اور بھوکا رکھتے ہو۔ (ابوداؤد:۲۵۴۹)

جانوروں کے ساتھ ذبح میں احسان کا پہلو اختیار کرنا چاہئے

جانور بھی بڑی حساس طبیعت کے مالک ہوتے ہیں، وہ بھی آثار وقرائن سے پتہ لگالیتے ہیں کہ اب ان کے ساتھ کیا معاملہ ہونے والا ہے؛ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کے سامنے چاقو وغیرہ تیز کرنے سے منع کیا، اس سے جانور کو گھبراہٹ ہوگی، نیز آپ نے ذبح میں احسان کے پہلو کو اپنانے کی بھی ترغیب دی کہ جانور کو مکمل طور پر ذبح کیا جائے، کہیں اسے تڑپتا ہوا نہ چھوڑے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں احسان کو لازم کیا ہے، جب تم قتل کرو تو اچھے انداز میں قتل کرو، جب تم ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو، چھری کو تیز کرلیا کرو، اور مذبوح کو راحت پہونچاو۔ (مسلم:۱۹۵۵)

ایک صحابی نے فرمایا: یارسول اللہ......! میں بکری کو ذبح کرتا ہوں، اس پر رحم بھی آتا ہے، آپ نے فرمایا: اگر تم نے بکری پر رحم کیا تو اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے گا۔ (مسند احمد:۱۵۵۹۲)

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک صحابی جانور کو لٹا کر چھری تیز کرنے لگے، آپ نے فرمایا: تم اس جانور کو کئی موتوں سے مارنا چاہتے ہو، لٹانے سے پہلے ہی چھری کیوں نہ تیز کی۔ (مستدرک حاکم: ۷۵۶۳)

ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس نے مذبوحہ چڑیا ہی پر رحم کیوں نہ کیا ہو، اللہ تعالیٰ روزِ محشر اس پر رحم فرمائیں گے۔ (طبرانی کبیر: ۷۹۱۵)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور پر لعنت کرنے سے بھی منع فرمایا، ایک سفر میں ایک صاحب جانور پر لعنت کرنے لگے، آپ نے فرمایا: جس نے اس اونٹنی پر لعنت کی ہے، وہ ہمارے ساتھ نہ آئے۔ (مسند احمد: ۱۹۷۶۵)

الغرض! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی جانوروں پر رحم کے واقعات سے بھری پُری ہے، یہ چند نقول ہیں جس سے ہمیں عبرت ونصیحت حاصل کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم خلقِ خدا کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ کریں۔

مال جائے تو جائے ایمان نہ جائے

ایک بزرگ تھے حضرت شیخ صدرالدین عارف، اللہ والے بھی تھے اور بہت بڑے تاجر اور صاحب ثروت بھی تھے، ان کے تجارتی تعلقات باہر ملکوں سے بھی تھے، ایک مرتبہ سمندری راستے سے ان کا مال باہر سے آرہا تھا، جہاز قریب آگیا تھا کہ سمندر میں طغیانی آگئی، معلوم ہوا کہ جہاز پانی میں غرق ہوگیا، ہزاروں لاکھوں کا مال تھا، کسی نے آکر انھیں جہاز کی بربادی کی خبر دی، انھوں نے بہت اطمینان سے کہا ''الحمد للہ'' حاضرین کو تعجب ہوا کہ یہ موقع الحمد للہ کا نہ تھا، اِنا للہ کا تھا مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ ان سے سوال کرتا، بزرگوں کے قلب کو عام لوگوں کے قلوب پر قیاس نہیں کیا جاسکتا تھا، پھر جب طغیانی فرو ہوئی تو دیکھا گیا کہ جہاز بعافیت کنارے آلگا، دوبارہ انھیں جہاز کی خیریت وعافیت کی خبر سنائی گئی تو پھر فرمایا کہ الحمد للہ، اب ایک شخص سے نہ رہا گیا، اس نے پوچھ لیا کہ حضرت جب جہاز ڈوبا تھا اس وقت بھی آپ نے الحمد للہ ہی پڑھا تھا، حالانکہ موقع اِنا للہ کا تھا؟ فرمایا کہ میاں! میں نے الحمد للہ جہاز کے ڈوبنے یا اس کی عافیت پر نہیں پڑھا، یہاں ایک دوسری بات ہے، لوگ سراپا اشتیاق ہوگئے کہ وہ دوسری

بات کیا ہوسکتی ہے؟ فرمایا کہ مال کا ضائع ہونا، جہاز کا ڈوب جانا ایک بڑی مصیبت ہے، اور ایسی مصیبت کے وقت انسان حواس باختہ ہوجاتا ہے، صبر ورضا کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے لگتا ہے اور حق تعالیٰ سے ربط ٹوٹنے لگتا ہے، میں نے اس مصیبت کے وقت میں اپنے دل کے بارے میں غور کیا کہ اس کا تعلق خدا تعالیٰ سے کمزور تو نہیں ہورہا ہے، بحمد اللہ مجھے محسوس ہوا کہ حق تعالیٰ کے ساتھ اس کا وہی سابقہ ربط باقی ہے، کسی طرح کی جزع فزع، بے صبری، ناراضگی دل میں نہیں ہے، میں نے اُستواریٔ دل اور استقامت قلب پر الحمدللہ کہی، پھر جب مال مایوسی کے بعد سلامت مل گیا تو یہ وقت خوشی میں آپے سے باہر ہوجانے کا تھا، حد سے زیادہ خوشی میں انسان کا قلب خدا سے غافل ہوجاتا ہے، اس وقت بھی میں نے اپنے دل کو ٹٹولا تو وہ بحمد اللہ اپنی سابقہ حالت پر موجود تھا، تو اس پر میں نے الحمدللہ کہا، میرا یہ شکر ادا کرنا، اس کی حمد وثنا کرنی نہ مال کے ضائع ہونے پر ہے اور نہ اس کے مل جانے پر، بلکہ دل کی استقامت اور تعلق مع اللہ پر ہے۔ سبحان اللہ! کیا حال تھا ان حضرات کا، ہر طرح کے نمونے یہ حضرات اپنی زندگی میں دکھلا گئے ہیں، ہم پچھلوں کے لئے کہیں اندھیرا نہیں ہے، ہمارے بزرگوں نے اپنے بعد والوں کے لئے اتنی شمعیں جلادی ہیں کہ نشانِ راہ بالکل روشن ہیں۔ (نمونے کے انسان، ص/242)

مخالفین کے ساتھ بھی اچھا معاملہ کریں

اچھی سوچ کا مالک شخص اپنے مخالفین کے ساتھ بھی اچھا معاملہ کرتا ہے، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔

ہمیشہ حق کا ساتھ دیں:

مثبت سوچ ہمیں یہ درس دیتی ہے کہ ہم ہمیشہ حق کا ساتھ دیں، ہر معاملے میں انصاف کا معاملہ کریں۔حق کے مقابلے میں کسی رشتہ داری، تعلقات یا ذاتی مفادات کی طرف ہرگز توجہ نہ دیں۔ (سورۃ المائدۃ آیت:8)

ہمیشہ دوسروں کی خیرخواہی کا جذبہ رکھیں

مثبت سوچ کا مالک ہمیشہ دوسروں کی خیرخواہی سوچتا ہے، دوسروں کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ رکھتا ہے، وہ کبھی بھی دوسروں کے لیے برا ہرگز نہیں سوچتا، چاہے وہ اپنا ہو یا پرایا؛ ہر ایک کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ رکھتا ہے۔ (صحیح البخاری حدیث:2442،57)

حسد سے اجتناب کریں

مثبت سوچ کا تقاضا یہ ہے کہ ہم کسی کی نعمت، کمال یا خوبی کی وجہ سے کسی کے ساتھ حسد نہ کریں کہ ہم سے کسی کی کوئی نعمت برداشت ہی نہ ہو اور اسی فکر میں رہیں کہ کسی طرح دوسروں سے یہ نعمت چھن جائے، بلکہ ہمیں چاہیے کہ ہم دوسروں کی نعمت دیکھ کر خوش ہوں، ان کا اعتراف کریں، ان کے لیے مزید برکت کی دعا کریں۔ افسوس کہ ہمارے معاشرے میں حسد کا یہ عنصر نہایت ہی زیادہ ہے۔ (صحیح البخاری حدیث:6064)

دوسروں کے کام کو تسلیم کریں

مثبت سوچ ہمیں یہ اہم سبق دیتی ہے کہ ہم دوسروں کے کام کو تسلیم کریں، دوسروں کی محنت کا اعتراف کریں، کوئی دینی یا کسی جائز دنیوی کام میں لگا ہو تو اس کو بے وقعت نہ سمجھیں۔

حوصلہ افزائی کی خوبی پیدا کریں

اچھے انسان کی ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اچھی باتوں میں ہمیشہ دوسروں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، تعریف کرتا ہے، اس سے باہمی محبت بھی پیدا ہوتی ہے، اور ہمارے دو بول دوسروں کو بلندی تک پہنچا دیتے ہیں۔

اختلاف رائے کو دشمنی کا ذریعہ نہ بنائیں

ہمیں چاہیے کہ ہم باہمی اختلاف رائے کو اسی حد تک رکھیں، اس کو دشمنی اور مخالفت کا ذریعہ نہ بنائیں، اس کی وجہ سے تعلقات اور محبتوں میں کمی نہ لائیں، کیوں کہ رائے کا مناسب اختلاف کوئی عیب نہیں، اس لیے ہر جگہ بلا وجہ اپنی ہی رائے پر ڈٹ جانا اور رائے سے اختلاف کرنے والوں کو ملامت کرنا اچھی خوبی نہیں۔

بے کار اور نقصان دہ امور سے بچیں

دینی یا دنیوی اعتبار سے فضول اور نقصان دینے والی باتوں اور کاموں سے اجتناب کرنا ہی مثبت سوچ کی علامت ہے، کیوں کہ یہ زندگی ان امور میں ضائع کرنا عقلمندی کا تقاضا ہرگز نہیں ہوسکتا۔

کسی کا مذاق نہ اڑائیں

دوسروں کا مذاق اڑانا اور ان کو بُرے ناموں سے پکارنا نہایت ہی بُرا عمل ہے، جو کہ اللہ کو انتہائی ناپسند ہے اور اس کے نقصانات بھی زیادہ ہیں۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ اس بُری صفت سے خصوصی اجتناب کریں۔ (سورۃ الحجرات آیت:11)

قبل از وقت فیصلہ نہ کریں

جب بھی انسان کے سامنے کوئی بات آئے تو وہ اس کا مکمل جائزہ لے، پوری حقیقت سے باخبر ہوجائے، پھر اس کے بعد رائے قائم کرے، کوئی فیصلہ کرے۔ اس خوبی کی بدولت انسان بہت سے نقصانات سے محفوظ رہتا ہے۔

ہر بات میں منفی سوچ نہ رکھیں

اگر ہم معاشرے کی منفی سوچ کی جھلک دیکھنا چاہیں تو وہ کچھ یوں دکھائی دیتی ہے کہ ہر طرف مایوسی کا دَور دَورا ہے، ہمتیں پست ہوچکی ہیں، بلند مقاصد سے کوسوں دور ہیں، بے معنیٰ زندگی گزارنے میں مگن ہیں۔ ہر ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کے درپے ہے۔ دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش میں ہے۔ بات بات پر بدگمانی ایک عام مزاج بن چکی ہے، غلطی بتانے والے کی مخالفت کرتے ہیں۔ کوئی شخص جس قدر بھی خلوص سے ہمیں کوئی نصیحت کرے وہ ہمیں دشمن سے کم نہیں لگتا۔ دوسروں کی ترقی ہم سے ہضم نہیں ہوتی۔ ہر بات کا منفی پہلو ہی نکالتے ہیں۔ اختلافات پیدا کرنے میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ اختلافات بڑھانے کو شغل سمجھتے ہیں۔ کسی کی حوصلہ افزائی کرنا نہیں جانتے۔ کسی کا شکریہ ادا کرنا جرم سجھتے ہیں۔ کسی کو اہمیت دینا ہمارے لیے موت سے کم نہیں۔ دوسروں کی مجبوری سے غلط فائدہ اٹھانے کے مواقع ڈھونڈتے ہیں۔ اپنی خوشی کی آڑ میں دوسروں کا نقصان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ ہم ہر معاملے کو بگاڑتے ہیں۔ ہر بات سے فساد بناتے ہیں۔ ہمیں دوسروں کی خامی ہی نظر آتی ہے۔ ہم دوسروں کی مجبوری نہیں سمجھتے۔ ہمیشہ دوسروں کی بدخواہی سوچتے ہیں۔ دوسروں کی نعمت ہم سے برداشت نہیں ہوتی، وغیرہ وغیرہ۔

معاشرہ اس سے بھی زیادہ بھیانک چہرہ لیے ہوئے ہیں، لیکن آپ سمجھتے ہیں کہ یہ تمام باتیں اسی منفی سوچ کا نتیجہ ہے، جبکہ مثبت سوچ وہ عظیم خوبی ہے کہ ذات سے لے کر معاشرے تک خیر ہی خیر پھیلانے کا بہترین ذریعہ ہے۔

مثبت سوچ کے عظیم الشان فوائد

مثبت سوچ دنیا اور آخرت کی کامیابی کی ضمانت دیتی ہے۔

مثبت سوچ کسی مقصد کو متعین کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

مثبت سوچ کے مقاصد بھی اعلیٰ اور بہترین ہوتے ہیں۔

یہ امن، چین وسکون کا سبب ہے۔

باہمی تعاون اور ہمدردی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

اس کے ذریعے غلط فہمیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

محبتوں کو فروغ ملتا ہے۔

تعلقات میں پائیداری آتی ہے۔

باہمی اختلافات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اتحاد و اتفاق نصیب ہوتا ہے۔

بہت سی پریشانیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

ہر مشکل میں صبر و استقامت سے جینا آتا ہے۔

باہمی شکوے شکایت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

زندگی کی خوشگواری میسر آتی ہے۔

ترقی اور کامیابی قدم چومتی ہے۔

پریشان کن حالات میں بہتر لائحہ عمل کی تعیین کرتی ہے۔

دوسروں کی ہمدردی کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔

مصائب میں خود سنبھلنا اور دوسروں کو سنبھالنا آتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے فوائد ہیں جو ہماری مثبت سوچ کے منتظر ہیں۔

اسلام میں دیگر اقوام اور اہل مذاہب کے ساتھ حسن سلوک

یہ پروپیگنڈہ بڑے زور وشور سے کیا جارہا ہے کہ اسلام اور اس کے ماننے والے دوسرے مذہب والوں کو برداشت کرنے کے روادار نہیں، یہ ایک گمراہ کن پروپیگنڈہ ہے، اس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں، یہ اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی عالمی سازش کا ایک حصہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام دینِ رحمت ہے، اس کا دامنِ محبت ورحمت ساری انسانیت کو محیط ہے۔اسلام نے اپنے پیروکاروں کو سخت تاکید کی ہے کہ وہ دیگر اقوام اور اہل مذاہب کے ساتھ مساوات، ہمدردی، غم خواری ورواداری کا معاملہ کریں، اور اسلامی نظامِ حکومت میں ان کے ساتھ کسی طرح کی زیادتی، بھید بھاؤ، امتیاز کا برتاؤ نہ کیا جائے۔ان کی جان ومال، عزت وآبرو، اموال وجائداد اور انسانی حقوق کی حفاظت کی جائے۔ارشاد قرآنی ہے:

لَایَنْھٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ۔(الممتحنۃ:۸)

اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان لوگوں سے جو لڑے نہیں دین کے سلسلہ میں اور نکالا نہیں تم کو تمہارے گھروں سے کہ ان کے ساتھ کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک، بے شک اللہ چاہتا ہے انصاف والوں کو۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ: مکہ میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو آپ مسلمان نہ ہوئے اور مسلمان ہونے والوں سے ضد اور پرخاش بھی نہیں رکھی نہ دین کے معاملہ میں ان سے لڑے، نہ ان کو ستانے اور نکالنے میں ظالموں کے مددگار بنے، اس قسم کے غیر مسلموں کے ساتھ بھلائی اور خوش خلقی سے پیش آنے کو اسلام نہیں روکتا، جب وہ تمہارے ساتھ نرمی اور رواداری سے پیش آتے ہیں تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور دنیا کو دکھلا دو کہ اسلامی اخلاق کا معیار کس قدر بلند ہے، اسلام کی تعلیم یہ نہیں کہ اگر غیر مسلموں کی ایک قوم مسلمانوں سے برسر پیکار ہے تو تمام غیر مسلموں کو بلا تمیز ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا شروع کردیں ایسا کرنا حکمت وانصاف کے خلاف ہوگا۔ (حاشیہ: ترجمہ شیخ الہند: ص:۷۲۹)

دیگر مذاہب والوں کے ساتھ تعاون اور عدم تعاون کا اسلامی اصول یہی ہے کہ ان کے ساتھ مشترک سماجی وملکی مسائل ومعاملات میں، جن میں شرعی نقطہ نظر سے اشتراک وتعاون کرنے میں کوئی ممانعت نہ ہو ان میں ساتھ دینا چاہئے۔

دیگر مذاہب یا اقوام کے کچھ لوگ اگر مسلمانوں سے سخت عداوت اور دشمنی بھی رکھتے ہوں تب بھی اسلام نے ان کے ساتھ رواداری کی تعلیم دی ہے: ارشاد ربانی ہے: اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَه عَدَاوَةٌ كَاَنَّه وَلِيٌّ حَمِيْمٌ۔ (سورۂ فصلت: ۲۴)

بدی کا بدلہ نیکی سے دو پھر جس شخص کے ساتھ تمہاری عداوت ہے وہ تمہارا گرم جوش حامی بن جائے گا۔

کفار مکہ کے ساتھ حسن سلوک

وہ کونسا ظلم تھا جو کفار و مشرکین نے مکہ مکرمہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے ساتھ روا نہ رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جادوگر، شاعر اور کاہن کہا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جسمانی اور ذہنی اذیتیں دی گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھروں اور سنگریزوں کی بارش کی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گلا گھونٹا گیا، نماز کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اونٹ کی اوجھڑی رکھ دی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے منصوبے تیار کیے گئے۔ تین سال تک شعب ابی طالب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محصور رکھا گیا۔ جس میں ببول کے پتے کھا کر گزارہ کرنے کی نوبت آئی، طائف میں آپ کو سخت اذیت پہنچائی گئی، لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دیں اور اتنا زدوکوب کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین مبارک خون سے لبریز ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں بھی سکون واطمینان سے رہنے نہیں دیا گیا۔ اور طرح طرح کی یورشیں جاری رکھی گئیں، یہودیوں کے ساتھ مل کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف منصوبہ بند مہم چھیڑ دی گئی۔ فتح مکہ کے موقع پر کفار مکہ کو موت اپنے سامنے نظر آرہی تھی ان کو خطرہ تھا کہ آج ان کی ایذا رسانیوں کا انتقام لیا جائے گا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا: اے قریشیو! تم کو کیا توقع ہے، اس وقت میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا؟ انھوں نے جواب دیا: ہم اچھی ہی امید رکھتے ہیں، آپ کریم النفس اور شریف بھائی ہیں اور کریم اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا:

میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا، آج تم پر کوئی الزام نہیں؛ جاؤتم سب آزاد ہو۔(زادالمعارج:۱/ ۴۲۴)

یہودیوں کے ساتھ حسن سلوک

یہودیوں کے مختلف قبائل مدینہ میں آباد تھے، نبی اکرم ﷺ کے مدینہ ہجرت فرما جانے کے بعد، ابتداء میں یہود غیر جانب دار اور خاموش رہے لیکن اس کے بعد وہ اسلام اور نبی رحمت ﷺ اور مسلمانوں کے تئیں اپنی عداوت اور معاندانہ رویہ زیادہ دنوں تک نہ چھپا سکے۔ انہوں نے سرکارِ دو عالم ﷺ اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی خفیہ سازشیں کیں، بغاوت کے منصوبے بنائے، آپ ﷺ کے کھانے میں زہر ملایا آپ ﷺ کو شہید کرنے کی تدبیریں سوچیں، اسلام اور مسلمانوں کو زَک پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا، اس کی ایک وجہ یہودیوں میں حسد، تنگ دلی، اور جمود وتعصب کا پایا جانا تھا۔ دوسرے ان کے عقائد باطلہ، اخلاق رذیلہ اور گندی سرشت تھی۔ لیکن قربان جایئے رحمتِ عالم ﷺ پر کہ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ نہایت اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا۔

مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد سرکارِ دو عالم ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ ایک اہم معاہدہ کیا تا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان خوش گوار تعلقات قائم ہوں، اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کریں اور مشکلات میں ایک دوسرے کی مدد کریں، معاہدہ کی چند دفعات یہ تھیں۔

۱- تمام یہودیوں کو شہریت کے وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اسلام سے پہلے انھیں حاصل تھے۔

۲- مسلمان تمام لوگوں سے دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

۳- اگر کوئی مسلمان کسی یثرب والے کے ہاتھ مارا جائے تو بہ شرط منظوری ورثاء قاتل سے خوں بہا لیا جائے گا۔

۴- باشندگان مدینہ میں سے جو شخص کسی سنگین جرم کا مرتکب ہو اس کے اہل و عیال سے اس کی سزا کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

۵- موقع پیش آنے پر یہودی مسلمانوں کی مدد کریں گے، اور مسلمان یہودیوں کی۔

۶- حلیفوں میں سے کوئی فریق اپنے حلیف کے ساتھ دروغ گوئی نہیں کرے گا۔

۷- مظلوموں اور ستم رسیدہ شخص کی خواہ کسی قوم سے ہو مدد کی جائے گی۔

۸- یہود پر جو بیرونی دشمن حملہ آور ہوگا تو مسلمانوں پر ان کی امداد لازمی ہوگی۔

۹- یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔

۱۰- مسلمانوں میں سے جو شخص ظلم یا زیادتی کرے گا تو مسلمان اسے سزا دیں گے۔

۱۱- بنی عوف کے یہودی مسلمانوں میں ہی شمار ہوں گے۔

۱۲- یہودیوں اور مسلمانوں میں جس وقت کوئی قضیہ پیش آئیگا تو اس کا فیصلہ رسول اللہ کریں گے۔

۱۳- یہ عہد نامہ کبھی کسی ظالم یا خاطی کی جانب داری نہیں کریگا۔ (سیرۃ ابن ہشام: ص:۵۰۱-تا-۵۰۴)

آپ نے ملاحظہ فرمایا اس معاہدے میں کس فیاضی اور انصاف کے ساتھ یہودیوں کو مساویانہ حقوق دئے گئے ہیں۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس معاہدے کے مطابق یہودیوں کے ساتھ برتاؤ کرتے رہے لیکن یہودیوں نے اس معاہدے کی پاس داری نہیں کی، مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکہ کی مدد کی اور اسلام اور مسلمانوں کے ہمیشہ درپے آزار رہے۔

عیسائیوں کے ساتھ حسن سلوک

عیسائیوں کے ساتھ بھی سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مثالی رواداری برتی۔ مکہ مکرمہ اور یمن کے درمیان واقع "نجران" کا ایک موقر وفد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا انھوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مذہبی معاملات میں گفتگو کی عیسائیوں کے ساتھ اس موقع پر ایک تاریخی معاہدہ ہوا، جس میں عیسائیوں کو مختلف حقوق دینے پر اتفاق کیا گیا ہے۔ معاہدہ کی دفعات درج ذیل ہیں:

(۱) ان کی جان محفوظ رہے گی۔

(۲) ان کی زمین جائداد اور مال وغیرہ ان کے قبضے میں رہے گا۔

(۳) ان کے کسی مذہبی نظام میں تبدیلی نہ کی جائے گی۔ مذہبی عہدے دار اپنے اپنے عہدے پر برقرار رہیں گے۔

(۴) صلیبیوں اور عورتوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔

(۵) ان کی کسی چیز پر قبضہ نہ کیا جائے گا۔

(۶) ان سے فوجی خدمت نہ لی جائے گی۔

(۷) اور نہ پیداوار کا عشر لیا جائے گا۔

(۸) ان کے ملک میں فوج نہ بھیجی جائے گی۔

(۹) ان کے معاملات اور مقدمات میں پورا انصاف کیا جائے گا۔

(۱۰) ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہونے پائے گا۔

(۱۱) سودخواری کی اجازت نہ ہوگی۔

(۱۲) کوئی ناکردہ گناہ کسی مجرم کے بدلے میں نہ پکڑا جائے گا۔

(۱۳) اور نہ کوئی ظالمانہ زحمت دی جائے گی۔

(دین رحمت: ۲۳۹، بحوالہ: فتوح البلدان بلاذری)

مذکورہ بالا جو حقوق اسلام نے دیگر اقوام اور رعایا کو عطا کیے ہیں ان سے زیادہ حقوق تو کوئی اپنی حکومت بھی نہیں دے سکتی۔

جو غیر مسلم اسلامی حکومت میں رہتے ہیں اس کے متعلق اسلامی نقطہ نظر یہ ہے کہ وہ اللہ ورسول کی پناہ میں ہیں اسی لیے ان کو ذمی کہا جاتا ہے اسلامی قانون یہ ہے کہ جو غیر مسلم (ذمی) مسلمانوں کی ذمہ داری میں ہیں ان پر کوئی ظلم ہو تو اس کی مدافعت مسلمانوں پر ایسی ہی لازم ہے جیسی خود مسلمانوں پر ظلم ہو تو اس کا دفع کرنا ضروری ہے۔ (المبسوط للسرخسی: ۱/ ۸۵)

منافقین کے ساتھ حسن سلوک اور رعایت

مدینہ منورہ میں ایک طبقہ ان مفاد پرستوں کا بھی پیدا ہو گیا تھا جو زبان سے ایمان لے آیا تھا مگر دل ایمان ویقین سے یکسر خالی تھے، یہ لوگ اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر کو دیکھ کر بظاہر مسلمانوں کے ساتھ ہو گئے تھے، مسلمانوں کے تئیں سخت کینہ، بغض اور حسد رکھتے تھے، ان کا سربراہ عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا، یہ مدینہ کا بااثر آدمی تھا اور سرکار دو عالم ﷺ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے مدینہ کے لوگ اس کو حکمراں بنانے کی تیاری کر رہے تھے۔ حضور اکرم ﷺ کی ہجرت کے بعد اس کی آرزو خاک میں مل گئی۔ اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے کے باوجود دل سے کافر ہی رہا، منافقین نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی تمام تر کوششیں کیں، نبی رحمت ﷺ کی شان میں

گستاخیاں کیں، کافروں اور یہودیوں سے مل کر اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے منصوبے تیار کیے، ان سب شرارتوں اور عداوتوں کے باوجود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں نے ان کے ساتھ بھی حسن اخلاق اور رواداری ہی کا معاملہ فرمایا عبد اللہ بن ابی کی نماز جنازہ بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھائی۔ ان کے لڑکے کی درخواست پر اپنا جبہ مبارکہ اس کے کفن کے لیے مرحمت فرمایا۔

اسلامی حکومت میں غیر مسلم رعایا (ذمیوں) کے حقوق

اسلام تمام افراد بشر اور طبقات انسانی کے لیے رحمت ورافت کا پیکر بن کر آیا تھا، اس لیے اس نے غیر مسلم اقوام اور رعایا کے ساتھ مثالی رحم وکرم، مساوات وہمدردی، اور رواداری کا معاملہ کیا ہے اور ان کو انسانی تاریخ میں پہلی بار وہ سماجی اور قومی حقوق عطا کیے جو کسی مذہب یا تمدن والوں نے دوسرے مذہب وتمدن والوں کو کبھی نہیں دیئے۔ جو غیر مسلم اسلامی ریاست میں قیام پذیر ہوں اسلام نے ان کی جان، مال، عزت وآبرو اور مذہبی آزادی کے تحفظ کی ضمانت دی ہے۔ اور حکمرانوں کو پابند کیا ہے کہ ان کے ساتھ مسلمانوں کے مساوی سلوک کیا جائے۔ ان غیر مسلم رعایا (ذمیوں) کے بارے میں اسلامی تصور یہ ہے کہ وہ اللہ اور رسول کی پناہ میں ہیں۔ اس بناء پر اسلامی قانون ہے کہ جو غیر مسلم، مسلمانوں کی ذمہ داری میں ہیں ان پر کوئی ظلم ہو تو اس کی مدافعت مسلمانوں پر ایسی ہی لازم ہے جیسی خود مسلمانوں پر ظلم ہو تو اس کا دفع کرنا ضروری ہے۔ (مبسوط سرخسی: ۱/ ۸۵)

اگر کوئی مسلمان ذمی پر ظلم کرتا ہے تو یہ مسلمان پر ظلم کرنے سے زیادہ سخت ہے۔ (درمختار مع ردالمحتار: ۵/ ۳۹۶)

جو حقوق مسلمانوں کو حاصل ہیں وہی حقوق ذمیوں کو بھی حاصل ہوں گے، نیز جو واجبات مسلمانوں پر ہیں وہی واجبات ذمی پر بھی ہیں۔ ذمیوں کا خون مسلمانوں کے خون کی طرح محفوظ ہے اوران کے مال ہمارے مال کی طرح محفوظ ہے۔ (درمختار کتاب الجہاد)

اسلام نے طے کیا ہے کہ جو شخص اس غیر مسلم کو قتل کرے گا جس سے معاہدہ ہو چکا ہے وہ جنت کی بو سے بھی محروم رہے گا جب کہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت تک پہنچتی ہے۔ (حدیث شریف: ابن کثیر: ۲/۲۸۹)

ذمیوں کے اموال اور املاک کی حفاظت بھی اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: سنو جو کسی معاہد (غیر مسلم) پر ظلم کرے، یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا، یا طاقت سے زیادہ اس کو مکلف کرے گا یا اس کی کوئی چیز اس کی مرضی کے بغیر لے گا تو میں قیامت کے دن اس کی طرف سے دعوے دار بنوں گا۔ (مشکوۃ شریف: ص: ۳۵۴)

غیر مسلم رعایا کو اتنی آزادی حاصل تھی کہ ان کے تعلیمی ادارے آزاد ہوتے اور ان کے شخصی قوانین کے لیے عدالتیں بھی آزاد رہیں۔

ذمیوں کو جو حقوق اسلام میں عطا کیے گئے ہیں وہ معاہدۂ اہل نجران کے ضمن میں تفصیل سے بیان کئے جا چکے ہیں۔

مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے والوں کے سلسلہ میں اسلامی ہدایات

مکہ مکرمہ میں مسلمانوں پر کفار مظالم کے پہاڑ توڑ رہے تھے، ان کا جینا دوبھر کر دیا تھا ہر طرح سے ان کو پریشان کیا جا رہا تھا، مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے حبشہ اور پھر مدینہ منورہ چلے جانے کے بعد بھی سکون میسر نہ آیا، اور کفار یہود اور منافقین کی مشترکہ

سازشوں کا شکار رہے۔ مدینہ کو تاخت وتاراج کرنے اور مسلمانوں کو ملیا میٹ کرنے کے ارادے سے ایک لشکر جرار نے مدینہ پر چڑھائی کردی اس انتہائی مجبوری کی حالت میں اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہ گیا تھا کہ تلوار کا مقابلہ تلوار سے کیا جائے چناں چہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو لڑائی کی اجازت دی اور فرمایا: حکم ہوا ان لوگوں کو جن سے کافر لڑتے ہیں، اس واسطہ کہ ان پر ظلم ہوا۔ اور اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے وہ لوگ، جن کو نکالا گیا ان کے گھروں سے اور دعویٰ کچھ نہیں سوائے اس کے، کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے۔ (سورہ حج: آیت: ۳۹)

جہاد کی اجازت ظلم وستم کے مقابلہ کے لیے دی گئی اور برسرپیکار لوگوں کے سلسلہ میں بے نظیر رواداری اور حسن اخلاق کی تعلیم بھی دی گئی جو کسی بھی دوسرے مذہب میں نہیں ملتی چناں چہ اس سلسلہ میں ہدایات درج ذیل ہیں:

(۱) جنگ میں خود پیش قدمی سے روکا۔ (بقرہ: ۱۹۱)

(۲) ظلم وزیادتی کی ممانعت کی۔ (بقرہ: ۱۹۰)

(۳) جنگ کی بس اس وقت تک اجازت دی جب تک فتنہ وفساد فرو نہ ہو جائے۔ (حج: ۱۳۹)

(۴) دشمن کے قاصدوں کو امن دیا۔ (ہدایہ ونہایہ: ۳/ ۴۷)

(۵) دشمن کی عورتوں، بچوں، معذوروں، کو مارنے سے منع کیا۔

(تاریخ ابن خلدون: ۲/ ۴۸۹)

(۶) سرسبز کھیتوں اور پھل دار درختوں کے کاٹنے کی ممانعت فرمائی۔

(تاریخ ابن خلدون: ۲/ ۴۸۹)

(۷) عبادت گاہوں کو ڈھانے اور تارک الدنیا عابدوں اور مذہبی رہنماؤں کو قتل کرنے سے روکا۔ (ایضاً)

(۸) اسیران جنگ کو تکلیف پہنچانے کی ممانعت فرمائی۔

(۹) دشمن اپنے کو کم زور دیکھ کر صلح کی درخواست کرے تو اسے قبول کرنے کی ہدایت فرمائی۔

(۱۰) پناہ میں آنے والے غیر مسلم کو امن دینے اور عافیت سے رکھنے کی تاکید فرمائی۔ (سورۂ توبہ:۶ ۳)

(۱۱) محض مال غنیمت کے لیے جہاد کرنے سے روکا۔ (ابوداؤد:۱/ ۳۴۸)

(۱۲) لوٹ کے مال کو حرام قرار دیا۔ (تاریخ ابن خلدون)

(۱۳) معاہدہ کرنے والے ذمیوں کی جان ومال کی پوری حفاظت کا مسلمانوں کو پابند فرمایا۔ (دین رحمت: ۲۳۹، بحوالہ فتوح البلدان)

وطن سے فطری محبت اور لگاؤ وفاداری کی علامت ہے

یہ حقیقت ہے کہ انسان کو دنیا میں جینے اور زندگی بسر کرنے کے لیے ہمیشہ ہی غذا کی ضرورت پڑتی ہے انسان کو یہ غذا زمین سے حاصل ہوتی ہے اور بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان مٹی سے پیدا ہوا ہے، سورۂ حج میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ دوسری آیت شریفہ میں ارشاد فرمایا ہے: ہم نے تم کو زمین میں ٹھہرایا اور تمہارے لیے زندگی کے سامان زمین سے پیدا کئے۔ (سورۂ اعراف)

دوسری آیت کریمہ میں ارشاد ربانی ہے: تم زمین میں ہی زندگی بسر کروگے اور زمین میں ہی مروگے اور زمین میں سے ہی نکالے جاؤگے۔ (سورۂ اعراف)

جس زمین سے آدمی کا خمیر اٹھا ہے جہاں وہ پیدا ہوا اور زندگی بسر کر رہا ہے اس سے انسان کو فطری لگاؤ اور تعلق ہوتا ہے، اسی لیے عربی زبان کا مشہور مقولہ ہے: انسان کی پیدائشی سرزمین اس کی دودھ پلانے والی ماں ہے، مشہور حکیمانہ جملہ ہے: حب الوطن من الایمان: وطن کی محبت ایمان کا تقاضا ہے۔

سرورعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ سے جانے لگے تو فرمایا کرتے تھے: اے مکہ تو خدا کا شہر ہے تو مجھے کس قدر محبوب ہے، اے کاش تیرے باشندے مجھے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں تجھ کو نہ چھوڑتا۔ (جمع الفوائد:۱/ ۱۹۵)

جب سرورعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ کو وطن بنالیا تو دعا میں فرمایا کرتے تھے: اے اللہ ہمارے اندر مدینے کی اتنی محبت پیدا کردے جتنی تو نے مکہ کی محبت دی ہے، مدینے کی آب وہوا درست فرمادے اور ہمارے لیے مدینے کے صاع اور مد (ناپنے کے پیمانے) میں برکت عطا فرما اور مدینہ کے بخار کو (حجفہ مقام) کی طرف منتقل فرمادے۔ (بخاری شریف:۱/ ۵۵۸)

اس حدیث شریف سے وطن عزیز کی محبت کا بھی بخوبی پتہ چلتا ہے نیز اس کی اقتصادی ترقی اور آب وہوا کی درستگی اور صحت وعافیت کی بحالی کی شدید رغبت بھی ظاہر ہوئی ہے، اس لیے وطن مالوف کی محبت فطری تقاضا بھی ہے اور شرعی بھی۔

ہندوستان کی قدرومنزلت

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ، صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند رقم طراز ہیں:

اسلامی کتابیں یہ بتاتی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان ہی میں اتارے گئے اور یہاں ہی سکونت کی، اور یہاں ہی سے ان کی نسل دنیا میں پھیلی اور اسی وجہ سے انسانوں کو آدمی کہا جاتا ہے"۔ (ہمارا ہندوستان اور اسکے فضائل، بحوالہ تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۸۰)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں:

ہندوستان نبوت کا دارالخلافہ ہے، یہاں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام تشریف لائے حضرت شیث علیہ السلام دوسرے رسول تھے جو اس سرزمین پر وارد ہوئے ان کی قبر شریف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اجودھیا میں ہے"۔

دارالعلوم دیوبند کے بانی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ رام چندر جی اور کرشن جی کے نام ادب سے لیے جائیں اور ان کے ساتھ گستاخی نہ کی جائے۔ (قومی اتحاد: ص: ۷)

حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(۱) انسانیت کا دارالخلافہ ہندوستان ہے۔

(۲) چوں کہ خلیفہ نبی تھا جس کے پاس حضرت جبرئیل تشریف لایا کرتے تھے لہٰذا سرزمین ہند سب سے پہلے آفتاب نبوت کا مشرق بنا۔

(۳) اسی سرزمین پر سب سے پہلے حضرت جبرئیل کا نزول ہوا۔

(۴) ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے جسم کا خمیر "دجنی" نامی علاقے کی خاک سے بنایا ہے۔ لہٰذا ہندوستان کو یہ شرف حاصل ہے کہ سب سے پہلے نبی کا خمیر یہیں کی خاک سے بنایا گیا اور حضرت آدم تمام انسانوں کے ابوالآباء

تھے اس لیے جملہ انبیاء اور تمام انسانوں کے روحانی اور مادّی اصل واصول کا خمیر ہندوستان ہی سے بنایا گیا، توالد وتناسل کے اصول پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جملہ انبیاء، اولیاء اور صلحاء کرام علماء ومشائخ کا اوّلین عنصر اسی خاک پاک سے وجود پذیر ہوا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ عہدِ الست ہندوستان کے مقام وجنی میں ہی لیا گیا۔ اللہ نے تمام انسانوں کی روحوں کو حضرت آدم کی پشت سے برآمد کر کے ان کو خطاب کیا اور فرمایا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ تمام روحوں نے متفقہ طور پر اللہ کی پروردگاری کو تسلیم کرتے ہوئے کہا ضرور آپ ہی ہمارے پروردگار ہیں۔ (ہمارا ہندوستان اور اس کے فضائل)

وطن سے فطری محبت اور لگاؤ وفاداری کی علامت ہے

محدث عصر حضرت علامہ انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:

ہندوستان یا کسی دوسرے غیر مسلم اکثریت والے ملک میں ہر مسلمان اس بات کا ذمہ دار ہے کہ اسلام نے عام انسانوں کے لیے امن اور آزادی کے جو حقوق تسلیم کیے ہیں اپنے اختیار اور اپنی طاقت کی حد تک ان حقوق کی حفاظت کرے ظاہر ہے اس مقصد کے تحت ہر مسلمان کو ملک کی سیاسی، معاشی اور شہری سرگرمیوں میں بقدر طاقت حصہ لینا پڑے گا، تاکہ اپنے ہاتھ میں سیاسی اور معاشی قوت کے ذریعہ وہ ملک کے عام باشندوں کی جان ومال اور روٹی کپڑے کے حقوق کی حفاظت کا اپنے وسائل کی حد تک فرض انجام دے سکے۔ ایک مسلمان اگر محض تماشائی بن کر زندگی گذارنا چاہے اور ملک

کی سیاسی سرگرمیوں اور معاشی واقتصادی جدوجہد سے کنارہ کش رہے تو وہ خدا کے عام بندوں کی خدمت کا فرض کیسے ادا کرسکتا ہے۔ (ہندوستان میں مسلمانوں کے ملکی فرائض)

ہمارے اکابر علماء کرام اور عام مسلمانوں نے ہمیشہ ملک میں محبت واتحاد، حسن معاشرت، فرقہ وارانہ یگانگت اور قومی یک جہتی ورواداری کو فروغ دینے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہم باشندگانِ ہندوستان بحیثیت ہندوستانی ہونے کے، ایک اشتراک رکھتے ہیں، جو کہ اختلافِ مذاہب اور اختلاف تہذیب کے ساتھ ہر حال میں باقی رہتا ہے جس طرح ہماری صورتوں کے اختلافات ذاتوں اور صورتوں کے تباین، رنگتوں اور قامتوں کے افتراقات سے ہماری مشترکہ انسانیت میں فرق نہیں آتا اسی طرح ہمارے مذہبی اور تہذیبی اختلافات ہمارے وطنی اشتراک میں خلل انداز نہیں ہیں، ہم سب وطنی حیثیت سے ہندوستانی ہیں۔

لہٰذا وطنی منافع کے حصول اور مضرتوں کے ازالے کا فکر اور اس کے لیے جدوجہد مسلمانوں کا بھی اسی طرح فریضہ ہے جس طرح دوسری ملتوں اور غیر مسلم قوموں کا اس کے لیے سب کو مل کر پوری طرح کوشش کرنی ازبس ضروری ہے، اگر آگ لگنے کے وقت تمام گاؤں کے باشندے آگ نہ بجھائیں تو تمام گاؤں برباد ہوجائے گا، اور سبھی کے لیے زندگی وبال ہوجائے گی۔ اسی طرح ایک ملک کے باشندوں کا فرض ہے خواہ ہندو ہوں یا مسلمان، سکھ ہوں یا پارسی کہ ملک پر جب کوئی عام مصیبت پڑجائے، تو مشترکہ قوت سے اس کے دور کرنے کی جدوجہد کریں اشتراک وطن کے فرائض سب پر یکساں عائد ہوتے ہیں، مذاہب کے اختلاف سے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، ہر

ایک اپنے مذہب پر پوری طرح قائم رہ کے ایسے فرائض کو انجام دے سکتا ہے، یہی اشتراک، میونسپل بورڈوں، کونسلوں، اسمبلیوں میں پایا جاتا ہے، اور مختلف المذاہب ممبر فرائض شہر یا ضلع یا صوبہ یا ملک کو انجام دیتے ہیں اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔ یہی معنی اس جگہ متحدہ قومیت کے ہیں۔ (ماخوذ از خطبات فدائے ملت: ص:۱۶،۲۱۵)

☆☆☆☆☆

سحر، ساحرین، جنات اور شیاطین سے نجات کا مجرب نسخہ

سلسلہ کے تمام حضرات اس مضمون کو بار بار پڑھ کر حرزِ جان بنالیں اور پورا پورا استفادہ کریں۔

﴿حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نہایت قیمتی ملفوظات﴾

﴿جنات کیسے بھاگتے ہیں؟﴾

فرمایا: سالک طریقت کی پیشانی کے نور سے مومن جنات گرویدہ ودیگر جنات وشیاطین بھاگ جاتے ہیں، یہ نور ازلی ہوتا ہے، ہر پریشانی میں موجود ہوتا ہے، لیکن مستور ہوتا ہے، نفس کی کدورت کی جھلی اس نور کو محجوب کئے ہوتی ہے۔

نفس جب کدورت سے پاک ہوتا ہے تو یہ نور منور ہوجاتا ہے، جگمگا اٹھتا ہے، ورنہ کسی اور طرح یہ حجاب نہیں اٹھ سکتا، بھاویں سوسو حیلے کرو، قرآن کریم کی تلاوت کے نور کا جلال جنات وشیاطین کو جلا دیتا ہے، کوئی بھی تاب نہیں لاسکتا۔

﴿قرآن شریف شیطان کو کیسے جلاتا ہے﴾

فرمایا: سالک جب قرآن شریف کی تلاوت میں محو ہوتا ہے قرآن مجید کے نور کے جلال سے ہمزات شیاطین لاغر نحیف اور بے بس ہوکر توبہ توبہ کرنے لگتے ہیں، قرآن کریم کی تلاوت کے نور کا جلال شیطان کو جلا دیتا ہے، تلاوت قرآن، نماز، ذکر ان تینوں میں ہر مرض سے کلی شفاء ہے، ان تینوں کی کثرت مساوی ہو یہی سلف صالحین کا نسخۂ کیمیا ہے۔

شیطان سے بچنے کا ہتھیار

فرمایا: دیکھئے بیت اللہ، اللہ تعالیٰ کا گھر ہے ابرہہ نے چاہا تھا کہ اس گھر کے

اوپر قبضہ جمائے، اللہ تعالی نے ابابیلوں کو مسلط کردیا، انہوں نے کنکریاں مار مار کر اس کے پورے لشکر کو کھائے ہوئے بھس کی طرح بنا دیا، بالکل اسی طرح انسان کا دل اللہ تعالی کا گھر ہے، اگر شیطان اس کی طرف قدم بڑھانا چاہے تو آپ لا الہ الا اللہ کی ضربوں سے اور اللہ اللہ کے الفاظ سے اس کے اوپر پتھروں کی بوچھاڑ کیجئے، پھر دیکھئے کہ اللہ آپ کو شیطان سے محفوظ فرمالیں گے اور قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ۔ (سورہ الاعراف، آیت:201)

ترجمہ: بلاشبہ جنہوں نے تقوی اختیار کیا جب شیطان کی طرف سے کوئی خیال بھی ان کو چھوتا ہے تو وہ اللہ کا ذکر کر لیتے ہیں تو ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(حضرت مولانا) محمد علاء الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی

خلیفہ ومجاز بیعت

حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم ادریس حبان رحیمی رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ ومجاز: حضرت حاذق الامت مولانا ذکی الدین صاحب پرنامبٹیؒ

خلیفہ ومجاز: مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلالآبادیؒ

خلیفہ ومجاز: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

شجرہ : سلسلۂ چشتیہ منظومہ: حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی

سلاسل اربعہ کے مشائخ کا مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ مشائخ کا شجرہ انفرادی اور اجتماعی طور پر پڑھنے سے مصائب دور، مسائل حل اور مقاصد پورے ہوتے ہیں، اسلئے باجازت شیخ اس کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

حمد ہے سب تیری ذات کبریا کیواسطے
اوردر ودونعت ختم الانبیاء کیواسطے
اور سب اصحاب وآل مجتبی کے واسطے
رحم کر مجھ پر الٰہی اولیاء کے واسطے
بالخصوص ان اولیائے باصفاکے واسطے
مولوی اشرف علی شمس الہدی کے واسطے
حاجی امداداللہ ذوالعطاکے واسطے
حاجی عبدالرحیم اہل غزاکے واسطے

شیخ عبدالباری شہ ِبے ریا کے واسطے
شاہ عبدالہادی پیر ہدے کے واسطے
شاہ عضدالدین عزیزدوسراکے واسطے
شہ محمد اور محمدی اتقیا کے واسطے
شہ محب اللہ شیخ باصفا کے واسطے
بوسعید اسد اہل وراکے واسطے
نشہ نظام الدین بلخی مقتداکے واسطے
شہ جلال الدین جلیل اصفیا کیواسطے
عبد قدوس شہ صدق وصفا کیواسطے
اے خدا شیخ محمد راہنما کے واسطے
شیخ احمدعارفِ صاحب عطاء کیواسطے
احمد عبدالحق شہ ملکِ بقا کیواسطے
شہ جلال الدین کبیراولیاء کے واسطے
شیخ شمس الدین ترک باضیا کیواسطے
شیخ علاالدین صابر بارضا کیواسطے
شہ فریدالدین شکرگنج بقاکے واسطے
خواجہ قطب الدین مقتول دلاکیواسطے
شہ معین الدین حبیب کبریاء کے واسطے
خواجہ عثمان با شرم وحیاکے واسطے
خواجۂ مودود چشتی پارساکے واسطے
شاہ بویوسف شہ شاہ وگدا کیواسطے
بومحمد محترم شاہِ ولا کے واسطے

احمد ابدال چشتی باسخا کے وا سطے
شیخ ابو اسحاق شامی خوش اداکیواسطے
خواجہ ممشاد علوی بوالعلا کیواسطے
بوہبیرہ شاہ بصری پیشوا کیواسطے
شیخ حذیفہ مرعشی شاہِ صفا کیواسطے
شیخ ابراہیم ادہم بادشاہ کیواسطے
شیخ حسن بصری امام اولیا ء کیواسطے
ہا دی عالم علی شیر خدا کیواسطے
سرورعالم محمد مصطفٰے کے واسطے
یاالٰہی اپنی ذات ِ کبریا کے واسطے
یاحق اپنے عاشقان باوفا کیو اسطے
یارب اپنے رحم واحسان وعطا کیواسطے
کررہا ئی کا سبب اس مبتلا کیو اسطے
کون ہے تیرے سوا مجھ بے نوا کیواسطے
ہے عبادت کا سہارا عابدوں کیو اسطے
ہے عصا ئے آہ مجھ بے دست وپا کیواسطے
بخش وہ نعمت جو کام آوے سدا کیواسطے
اپنے لطف ورحمت بے انتہا کیواسطے

☆☆☆☆

معمولات

صبح و شام

معمولات اوران کی تعداد کم ہوں یا زیادہ مشائخ اپنے مریدین ومتوسلین کوان کے حسب احوال ارشاد فرماتے ہیں ۔راقم السطور مندرجہ ذیل طریقے پر سالکین طریقت وعاشقان حق کی رہنمائی کا ادنی فریضہ انجام دیتا ہے۔

﴿طبقۂ اولیٰ﴾

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت حکیم الامتؒ کے بعض ذاتی معمولات یہ تھے ۔تہجد کے بعد آپ اس طرح معمولات کوشروع فرماتے:

أَللّٰھُمَّ طَھِّرْ قَلْبِی عَنْ غَیْرِکَ وَ نَوِّرْ قَلْبِیْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِکَ ___________ 3، بار

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْہ ___________ 100 بار

درود شریف۔ ___________ 100 بار

لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ ___________ 200 بار

اِلَّا اللّٰہ۔ ___________ 400, بار

اَللّٰہُ اللّٰہ۔ ___________ 600, بار

اَللّٰہُ۔ ___________ 100 بار

تلاوت کلام پاک کم ازکم ایک پارہ مع سورۂ یسین شریف۔

مناجات مقبول حضرت حکیم الامتؒ۔ ایک منزل

شام کے معمولات

استغفار۔ ______ 100،بار

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ______ 100،بار

درود شریف۔ ______ 100،بار

سورۂ اخلاص،سورۂ فلق،سورۂ ناس،تین تین مرتبہ۔

طبقۂ ثانیہ — صبح کے معمولات

أَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِي عَنْ غَيْرِكَ وَنَوِّرْ قَلْبِي بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ ______ 3،بار

اَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ ______ 100،بار

درود شریف۔ ______ 100،بار

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ______ 100،بار

اَللہُ اللہ۔ ______ 100،بار

اللہ۔ ______ 100،بار

کم از کم سورۂ یسین شریف کی تلاوت،زیادہ سے زیادہ تلاوت کی کوئی حد نہیں۔

مناجات مقبول حکیم الامتؒ ہر روز۔ ______ ایک منزل

سورۂ اخلاص،سورۂ فلق،سورۂ ناس،تین تین مرتبہ۔

شام کے معمولات

استغفار۔ ______ 100،بار

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ ______ 100،بار

درود شریف۔ ______ 100،بار

سورۂ اخلاص،سورۂ فلق،سورۂ ناس،تین تین مرتبہ۔

طبقۂ اولیٰ کیلئے حسب طاقت صبح میں

سورۂ اخلاص۔ ______ 100، بار

تیسرا کلمہ، سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرْ۔ ___ 100، بار

طبقۂ اخیر کیلئے

صبح کے معمولات

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ ______ 33، بار

أَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ اِلَیْہ۔ ______ 33، بار

أَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَآلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔ ____ 33، بار

قرآن شریف کی تلاوت کم از کم دس آیتیں۔ زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

شام کے معمولات

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ ______ 33، بار

استغفار۔ ______ 33، بار

درود شریف۔ ______ 33، بار

سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس، تین تین مرتبہ۔

عشاء کی نماز کے بعد وتر سے قبل دو یا چار رکعت تہجد ہر طبقہ کیلئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

{مؤلف کا تعارف}

نام : محمد علاء الدین قاسمی ابن الحاج حافظ حبیب اللہ صاحب۔

ولادت وپیدائش : مقام وپوسٹ: جھگڑوا، تھانہ جمال پور، وایا گھنشیام پور، ضلع دربھنگہ بہار (انڈیا)

ابتدائی تعلیم :

ناظرہ، وحفظ، وقرأت قرآن شریف: مدرسہ عربیہ حسینیہ چلہ امروہہ ضلع مرادآباد یوپی۔

عربی اول : جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد (یوپی)

عربی دوم، سوم : مدرسہ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ (یوپی)

اعلیٰ تعلیم : عربی چہارم تا دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند (یوپی)

فراغت : سنہ ۱۹۹۱ء

بعد فراغت مصروفیات

درس وتدریس : درجہ سوم تا ہفتم: مدرسہ حسینیہ شریوردھن کوکن مہاراشٹر۔

حرمین شریفین کی زیارت اور عملی سرگرمیاں:

فریضۂ امامت اور جدہ اردو نیوز کے لئے کالم نگاری۔

موجودہ مصروفیات :

خانقاہ اشرفیہ پالی کی ذمہ داری اور تصنیف وتالیف کے مشاغل۔

مؤلف کی مشہور کتابیں

۱۔ رمضان المبارک سے محرم الحرام تک۔

۲۔ اپنے عقائد کا جائزہ لیجئے۔

۳۔ نکاح اور طلاق۔

۴۔ حج گائیڈ۔

۵۔ چالیس حدیثیں۔

۶۔ جادو ٹونا، اور کہانت کا حکم۔

۷۔دس عظیم صحابہ کرامؓ کے ایمان افروز واقعات۔

۸۔ وعظ و ادب کا خزانہ۔

۹۔ عظمت قرآن۔

۱۰۔ مسائل حاضرہ۔

۱۱۔ قربانی کے ضروری مسائل۔

۱۲۔ اصلاح کا تیر بہدف نسخہ۔

۱۳۔ چراغ اصلاح۔

۱۴۔تکبر ایک وبال ہے۔

۱۵۔تنقید ایک بُری عادت ہے۔

۱۶۔جنت کے حسین محلات اور لذیذ و نفیس نعمتیں۔

۱۷۔تراویح کا پیسہ لینا جائز نہیں۔

۱۸۔رمضان المبارک کو نفع بخش اور مقبول بنانے کے صحیح طریقے۔

۱۹۔قیامت کی آخری علامتیں۔

۲۰ تصوف کی اہمیت وضرورت۔

۲۱۔غیبت ایک گندہ عمل ہے۔

اصلاح کے قیمتی موتی۔

۲۳۔اصلاح کے اہم نسخے۔

۲۴۔اخلاص اوراخلاق۔

۲۵۔اصلاحی واقعات جلد،اوّل۔

۲۶۔اصلاحی واقعات جلددوم۔

۲۷۔اصلاحی واقعات جلدسوم۔

۲۸۔دعاءکاصحیح طریقہ۔

۲۹۔اصلاح کامبارک سفر۔

۳۰۔قربانی کی شرعی حیثیت۔

۳۱۔پنج وقتہ نمازاوران کےضروری مسائل۔

۳۲۔محرم الحرام تاریخ وشریعت کےآئینے میں۔

۳۳۔عہدہ ومنصب کاحریص،رسوائی اوروبال کاطالب ہے۔

۳۴۔روح اورنفس کےاوصاف احوال اورانجام۔

۳۵۔اتحادواتفاق کےبغیرآپ کی جماعت کافیل ہوناطے ہے۔

۳۶۔علماءکرام اصلاح کی روحانی چھاؤں میں۔

۳۷۔مزارات اولیاءکرامؒ اوران کےفیوض وبرکات برحق ہیں۔

۳۸۔اصلاحی واقعات جلدچہارم۔

۳۹۔رجب المرجب اورشعبان المعظم پرایک تحقیقی مطالعہ۔

۴۰۔عورت کاحجاب خداکاحکم ہے۔

۴۱۔بچےاوربچیوں کاتعلیمی وتربیتی نصاب۔

۴۲۔رمضان المبارک کیسےگذاریں۔

۴۳۔اسلام میں حقوق ومعاملات کی نزاکت واہمیت۔

﴿بیعت سے آدمی پاک صاف ہوجاتا ہے﴾

حضرت خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں میرا بیعت ہونے کو بہت جی چاہتا تھا، مگر ہمت نہیں ہوتی تھی کیونکہ مجھے یہ فکر دامن گیر تھی کہ اگر بیعت ہونے کے بعد بھی گناہ ہوتے رہے تو بیعت ہونے سے کیا فائدہ؟ اس لئے پہلے حضرت میرے ناپاک ہاتھوں کو اس قابل کردیں کہ حضور کے پاک ہاتھوں میں دے سکوں، احقر کی عرض مذکور پر تمثیلاً فرمایا کہ: ایک دریا تھا اس کے پاس ایک ناپاک اور میلا کچیلا آدمی آیا اس دریا نے کہا کہ آ تو میرے پاس آجا۔ اس نے کہا کہ میری بھلا کیا مجال ہے میں تیرے پاس آسکوں، تو بالکل صاف وشفاف، میں بالکل نجس، پلید، ناپاک، دریا نے جواب دیا تو تو اس حالت میں میرے پاس آنے نہیں پاتا اور بغیر میرے پاس آئے اور میرے اندر نہائے پاک ہو نہیں سکتا، تو بس ہمیشہ کیلئے دوری ہی رہی، ارے بھائی پاک ہونے کی تدبیر بھی تو یہی ہے کہ بس آنکھیں بند کر کے بلا پس وپیش میرے اندر کود پڑ بس، پھر فوراً ہی میرے اندر سے ایک ایسی موج اٹھے گی جو تیرے سر پر ہو کر گذر جائے گی اور آن کی آن میں تیری ساری نجاستوں کو دھو کر تجھے سر سے پاؤں تک بالکل صاف کردے گی۔ (اشرف السوانح، ج/2، صفحہ/51)

نوٹ:

اس مضمون کو طباعت کے وقت بیک فرنٹ پر ڈالیں